مجلسِ ذکر

حصہ چہارم

احمد علی لاہوری

۷۸۶

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ

پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو

افادات

مجلسِ ذکر حصّہ چہارم

از

حضرت مولانا **احمد علی** صاحب مدّظلہم العالی

امیر انجمن خدام الدّین دروازہ شیرانوالہ لاہور

المشتہر: سلسلہ قادریہ راشدیہ دروازہ شیرانوالہ لاہور

بار اوّل ایک ہزار　　پنجاب پریس لاہور　　قیمت ایک روپیہ

انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

نے ایک ایسا

قرآن عزیز شائع کیا ہے

جس میں حضرت مولانا الحاج مولوی احمد علی صاحب
امیر انجمن خدام الدین کا ترجمہ آسان اور سلیس اردو میں ہے حاشیہ
پر ربط آیات ہر سورت کا عنوان رکوع کے شروع میں خلاصہ
اور ماخذ درج ہیں۔ حواشی سارے ہندوستان کے علمائے کرام
کے مصدقہ ہیں۔ تقطیع ۲۲×۲۹/۸ ہدیہ مجلد چار حصہ ۹-۸-۰ روپے آنے

ناظم شعبہ تالیف واشاعت انجمن خدام الدین دروازہ شیرانوالہ لاہور

فہرست مضامین

ضروری عرضداشت

اللہ تعالیٰ نے جن اپنے بندوں کی خدمت
بسلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ میرے ذمہ لگائی ہے
وہ جمعہ کی رات کو میرے پاس تشریف لاتے
ہیں - انہیں بعد نمازِ مغرب سلسلہ عالیہ قادریہ
راشدیہ کے طریقہ پر ذکرِ جہر کراتا ہوں - اس
لیے ان کی روحانی اصلاح کے پیشِ نظر کتاب
و سنت کی روشنی میں کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں
یہ مجلسِ ذِکر کہلاتی ہے - مجلسِ ذِکر میں جو کچھ اللہ
تعالیٰ نے کہلوایا ہے وہ افادۂ عام کے لیے
کتابی صورت میں مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا
جاتا ہے - اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اس
چیز کو مسلمانوں کی ہدایت اور میری نجات کا
ذریعہ بنائے - آمین یا الٰہ العالمین ط

احقر الانام **احمد علی** عفی عنہ

۱۸ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۸ جون ۱۹۵۶ء

فیض کیا چیز ہے؟

آج میں تصوّف کے سلسلہ میں فیض کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ عامۃ الورود لفظ ہے اور بزرگانِ دین کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فلاں بزرگ کو فلاں بزرگ سے فیض حاصل ہوا۔ یہ فیض کیا چیز ہے؟ آج میں یہی عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ یہ کسی دوسرے کا شاگرد بن کر اس سے استفادہ کرتا ہے۔ فارسی میں کہا کرتے ہیں :۔

جائے استاد خالی است

کسی دوسرے شاعر نے کہا ہے :۔

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد ٭ یقین دانی کہ بے بنیاد باشد

جب تک استاد خود کسی فن میں ماہر نہ ہو اس وقت تک شاگرد کو وہ فن نہیں آتا۔
استاد کچھ کرکے دکھاتا ہے اور کچھ زبان سے بتلاتا ہے۔ اس طریقہ سے آہستہ آہستہ شاگرد استفادہ کرتا ہے۔ لوہار۔ بڑھئی۔ درزی کاتب وغیرہ۔ سب اسی طرح استفادہ کرکے اپنے فن میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ کاتب پہلے ج لکھ کر دکھلاتا ہے۔ وہ پہلے باریک قلم لگاتا ہے۔ پھر موٹی کر دیتا ہے۔ اور پھر باریک کر دیتا ہے۔ یک دم نہیں کرتا۔ یہ عمل شاگرد کو زبان سے بھی بتلاتا ہے۔ یہ کسی فن میں نہیں ہوتا کہ استاد شاگرد کے سامنے چپ کرکے بیٹھ جائے۔ شاگرد بھی خاموش بیٹھا رہے اور اس کو فائدہ ہو جائے۔ شاگرد استاد کی ہر نقل و حرکت کو بغور دیکھتا ہے۔ استاد کچھ زبان سے بھی بتلاتا ہے۔ اور کچھ عمل سے تعلیم دیتا ہے۔ سب کسبوں میں یہی

ہوتا ہے۔

اسکول اور کالجوں میں سائنس پڑھاتے ہیں تو ساتھ لیبارٹری بھی رکھتے ہیں۔ تاکہ جو کتاب میں پڑھا ہے۔ اس کا عملی تجربہ بھی ہو جائے جتنی انسانی ضروریات ہیں۔ سب میں شاگردی اور استادی ضروری ہے۔ ہر استاد کچھ اپنے عمل سے سکھلاتا ہے اور کچھ زبانی ہدایات دیتا ہے۔ شاگرد استاد کے عمل کو بغور دیکھتا ہے اور اس کی ہدایات کو دماغ میں محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ وہ خود بھی اس فن میں کامل ہو جاتا ہے۔

تصوّف میں استفادہ کو فیض کہتے ہیں۔ اس میں ایک شرط ہے کہ طالب کچھ منزل طے کر چکا ہو۔ یعنی اللہ اللہ کرنے میں کچھ مشق کر چکا ہو۔ تو پھر شیخ اور طالب دونوں خاموش بھی بیٹھ جائیں تو فیض آتا ہے۔ چپ چپ میں ادھر سے کچھ جاتا ہے اور طالب کچھ لیتا

جاتا ہے۔ یہ بلا نقل و حرکت اور بلا تکلم ہوتا ہے۔ کامل ایک ہو اور اس کے گرد دس ہزار بیٹھے ہوں۔ تو وہ جب توجہ کرتا ہے تو دس ہزار کے دل پہ چوٹ لگتی ہے۔ بشرطیکہ اللہ اللہ کرنے سے کچھ قلب کی سیاہی اور شقاوت دور ہو چکی ہو۔ کامل ایک دفعہ اَللہُ کہے گا تو دس ہزار طالبین کے قلوب کو اس کا احساس ہوگا۔ جس طرح بجلی کی کرنٹ آتی ہے۔ ایسے ہی اس کے اثر کو محسوس کریں گے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ — اور تو نے مٹھی نہیں پھینکی تھی
وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی — جبکہ تو نے ہی پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔
(سورۃ انفال ۲ع پ۹)

اس میں نفی اور اثبات دونوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضورؐ نے ریت کی ایک مٹھی پھینکی

جو ہر کافر کی آنکھ میں پڑ گئی۔ مٹی پھینکی تو حضورؐ نے مگر اس کو اتنا پھیلایا اللہ تعالیٰ نے۔ بچہ اگر ریت کی مٹھی بھر کر پھینکے تو وہ زیادہ سے زیادہ دو تین فٹ دور جائے گی۔ اس سے طاقت ور کی ذرا زیادہ۔ جتنی طاقت ہو گی۔ اتنی دور ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت کا ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس نے حضورؐ کی مٹھی کا اتنا پھیلاؤ کر دیا۔ کہ وہ ہر ایک کافر کی آنکھوں میں پڑ گئی۔ تصوف میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ نظر آتا ہے۔ شیخ ایک دفعہ زبان سے نہیں فقط دل میں اَللّٰہُ کہے گا۔ تو اس کا اثر سب کے دل پر پڑے گا۔ اس کا نام فیض ہے۔ کوئی کاریگر۔ کوئی کرنیل۔ کوئی جرنیل یہ کر سکتا ہے؟

شیطان سب سے زیادہ تصوف کے بھیس میں چھپتا ہے اور کسی بھیس میں وہ اتنا نہیں چھپتا۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

لوہار۔ بڑھئی۔ کاتب وغیرہ ہر ایک کے کمال کا پتہ منٹوں میں لگ سکتا ہے۔ لوہار کو لوہے کی۔ بڑھئی کو لکڑی کی چیز بنانے کے لیے دے دیجئے۔ اس کے کمال کا فوراً پتہ چل جائے گا۔ لیکن صوفی کو طالب نہیں پرکھ سکتا۔ کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ کامل تو پرکھ سکتا ہے۔ کرنل لارنس پیر کرم شاہ کے بھیس میں مدتوں تک لاہوریوں کا پیر بنا رہا۔ بڑے بڑے اس سے دھوکہ کھا گئے۔ بالآخر مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری نے بھانڈا پھوڑا کہ یہ تو کرنل لارنس ہے۔ اس کی فوٹو تو ملا کر دیکھو۔

میں کہا کرتا ہوں کہ موتی ملنے ارزاں لیکن کامل کا ملنا اس سے بھی گراں۔ تقسیم سے پہلے موتی تو ہندوؤں سکھوں کے بھی گھروں

ہیں تھے۔ لیکن اللہ والے مسلمانوں میں بھی کمیاب
ہیں۔ پبلک پلیٹ فارم پر کام کرنے والے
لاہور میں ایک بھی ولی نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی
رحمت کو کھینچ کر لانے والے اولیاء کرام یہاں
بھی موجود ہیں۔ یہ اولیاء کرام کی ایک قسم ہے
ان کی بے شمار قسمیں ہیں۔ فوق کل ولی ولی
لا یعلم تعداد مراتبھم الا اللہ۔ ان کی برکت
سے لاہور بچا ہوا ہے ورنہ اسے کونڈے سے
پہلے غرق ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ یہاں کونڈے
سے زیادہ زانی۔ شرابی اور بدمعاش رہتے ہیں۔
پیر تو گھر گھر ہوں گے۔ مگر کھرے بہت کم
ہوں۔ کھروں کی ضرورت نہیں۔ مسلمانوں کو تو
وہ پیر چاہئیں۔ جو طبلہ ہارمونیم سے نہ روکے
بزرگانِ دین کی قبروں پر رنڈیوں کے سلام اور
گانے اور ہارمونیم بجانے سے نہ روکے۔ اور یہ
کہے کہ یہ سلام کرنے کے لئے آئی ہیں۔ عبادت
بھی ہو گئی۔ رنڈیوں کی زیارت بھی ہو گئی۔

ہم خرما و ہم ثواب۔ تیسری رات ہوئی۔ ہمارے محلے میں قوالی تھی۔ ساری رات طبلہ اور ہارمونیم بجتا رہا۔ گانے کی بھی آواز آتی رہی۔ حضورؐ کے زمانہ میں بھی اس رنگ کے دین دار ہوں گے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :-

وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا	اور انہیں چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے۔

(سورۃ الانعام ع ۸ پ)

اللہ تعالیٰ لاہوریوں سے اللہ والوں کی توہین نہیں کرانا چاہتے۔ اس لئے لاہور میں کوئی نہیں میں نے جو کچھ فیض کے متعلق عرض کیا ہے اس کا عملی رنگ میں نے اپنے حضرات کے ہاں دیکھا ہے وہ سوئے بھی ہوتے۔ تو طالب پاس آ کر بیٹھ جاتے تو طبیعت پر اثر ہوتا۔

اوّل تو کامل کا ملنا مشکل ہے۔ کامل کی پہلی

شرط اتّباع شریعت ہے۔ میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر صوفی آسمان پر بھی اڑتا ہوا نظر آئے اور اس کا عمل کتاب و سنت کے خلاف ہے تو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھنا گناہ ہے۔ اس کی بیعت کرنا حرام ہے اگر ہو جائے تو توڑنا فرض عین ہے۔ ورنہ وہ خود بھی جہنم میں جائے گا۔ اور تمہیں بھی ساتھ لے جائے گا۔ کامل۔ اللہ تعالیٰ نے بیچ کے طور پر رکھے ہوئے ہیں ان میں سے بعض اس رنگ میں رہتے ہیں کہ لاہوری ان کے منہ پر بھی تھوکنا پسند نہ کریں۔ لیکن وہ اللہ کے ہاں مقبول ہیں اور ان کی وجہ سے اللہ کا غضب اہل لاہور والوں سے ٹلا رہتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار مکہ یہ کہتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً — اے اللہ! اگر یہ دین تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔

مِنَ السَّمَآءِ (سورۃ انفال ۴ع پ۹)

اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا:

وَمَا كَانَ اللّٰہُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ (سورۃ الانعام ۴ع پ۹) — اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے۔

حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی تھے۔ ایک دفعہ وہ یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے کہ نَافَقَ حَنْظَلَۃُ (حنظلہؓ منافق ہو گیا) سامنے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ انہوں نے جب پوچھا کہ کیا ہوا تو حنظلہ نے عرض کیا کہ جب حضورؐ کی صحبت میں ہوتے ہیں تو رنگ اور ہوتا ہے۔ لیکن ان سے دور ہو جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اندر نفاق ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میری بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ دونوں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور سارا واقعہ عرض کیا

آپؒ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے۔ کہ جو حالت تمہاری میری موجودگی میں ہوتی ہے۔ وہ بعد میں قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ فیض ہے حضورؒ کی صحبت میں اور رنگ ہوتا ہے۔ اور آپؒ سے دور ہو کر اور رنگ ہوتا ہے۔

کامل سے فیض حاصل کرنے کے لئے

ضروری ہے کہ عقیدت ادب اور اطاعت میں ذرہ جتنا بھی فرق نہ آئے۔ میں انگریز سے نہ ڈرتا تھا لیکن اپنے حضرات سے ایسے ڈرتا تھا۔ جیسے کوّا تیر سے۔ جب کبھی اللہ تعالیٰ ۲۵/- روپے تنخواہ میں دے دیتے۔ تو امروٹ شریف چلا جاتا۔ صرف ایک دن اور ایک رات رہتا تھا۔ اگر ان تینوں تاروں (عقیدت، ادب اور اطاعت) میں سے اگر ایک تار بھی کٹ گئی تو طالب گیا۔ کہتے ہیں کہ کچی اینٹ پکی سے اچھی ہوتی ہے۔ کچی اینٹ بارش سہار لیتی ہے مگر پکی نہیں

سہارتی - اللہ تعالیٰ اگر اللہ والوں کی صحبت میں پہنچا دے تو وہاں سے کچھ بن کر نکلنے کی توفیق عطا فرمائے - آمین یا الٰہ العالمین ط

---

۲۵ ذیقعد ۱۳۷۵ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۵۶ء

عُجب (خُود پسندی) کا علاج

میں آپ سے ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ انسان کی بیماریاں دو قسم کی ہیں :-

۱- جسمانی ۲- روحانی -

جسمانی بیماریوں کا معالج اطبا اور ڈاکٹر - روحانی بیماریوں کے معالج اولیاء کرام ہیں اور دوسروں کی روحانی بیماریوں کا علاج وہی کر سکتے ہیں - جنہوں نے مدت مدید تک کاملین کی صحبت میں رہ کر اپنی تربیت کرائی ہو - جو خود تربیت یافتہ نہیں وہ دوسروں کا کیا علاج کریگا

و خویشتن گم است کرا رہبری کند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روحانی بیماریوں کا علاج وہباً ہوتا تھا۔ اب کسبی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ بعض بے سمجھ تصوف کو بدعت کہتے ہیں۔ یہ بدعت نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قرآن مجید پر حضورؐ کے ارشادات کو سمجھنے کے لئے نہ صرف و نحو کی ضرورت تھی اور نہ علم لغت کی لیکن ہم عجمیوں کے لیے یہ تمام علوم ضروری ہیں ہم ان کے بغیر قرآن اور حدیث کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان علوم کا حاصل کرنا بدعت ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے ان کو نہ پڑھا تھا۔

کہتے ہیں کہ دہلی کے آخری بادشاہ اس قدر نازک مزاج تھے کہ ان کو ادویات کھلائی پلائی نہ جاتی تھیں بلکہ دوائی کو کمرے میں اٹھا

کر اس پر پانی چھڑک دیتے تھے۔ اس کی خوشبو سے ان کا علاج ہو جاتا تھا۔

بعض لوگوں کے معدے اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ ان کو سنا مکی کی خوشبو ہی سے اسہال آنے لگتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اتنے نازک مزاج ہوتے ہیں کہ ہلیلہ کابلی ہاتھ میں لے لینے سے ان کو اسہال شروع ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کا تو اس طرح علاج نہیں ہو سکتا۔ جو چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں صحابہ کرام کو وھباً حاصل ہوتی تھی وہ اب ہر شخص کو اولیاء کرام کی صحبت میں وھباً نہیں مل سکتی۔ اس کے لیے ریاضت کی ضرورت ہے۔ جوں جوں حضور کے زمانہ سے بُعد ہوتا جاتا ہے۔ باطنی اثرات کم ہوتے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رض عقیدت۔

ادب اور اطاعت کی بنا پر عکس پلتے تھے اب
بھی اولیاء کرام سے عقیدت ، ادب اور اطاعت
کی بنا پر رنگ چڑھتا ہے۔

روحانی امراض کے لیے ادویات کی ضرورت
نہیں۔ حسد وغیرہ کا علاج جلاب سے نہیں
ہو سکتا۔ ان سے شفا شیخ کامل کی صحبت
میں ہوتی ہے۔ جسمانی امراض کے لئے جسمانی
معالج اور اطباء اور ڈاکٹروں کی ضرورت ہے اور
روحانی امراض کے لیے روحانی ڈاکٹر یعنی اولیاء
کرام کی ضرورت ہے۔ مدت مدید تک کاملین
کی صحبت میں رہ کر تربیت یافتہ انسان روحانی
معالج بنتا ہے۔ وہ پہلے خود اپنا علاج کرتے
ہیں اور تکمیل تک پہنچنے کے بعد مجاز ہوتے ہیں
مجاز کے معنی ہیں اجازت دیا گیا۔ یعنی طب
روحانی کا سرٹیفکیٹ دیا گیا۔ اب وہ دوسروں
کا علاج کر سکتے ہیں۔ جیسے ہر بی اے ،
ایم۔ اے ، بی اے کورس کو اور ہر عالم دین درسی

کتابیں نہیں پڑھا سکتا۔ سو میں سے دس بمشکل تمام
نکلیں گے۔ اسی طرح ہر تربیت یافتہ مجاز
نہیں ہوتا۔ شیخ کامل جس کو دوسروں کی تربیت
کے قابل سمجھتا ہے۔ اسی کو مجاز بناتا ہے
جسمانی اور روحانی علاج متوازی چلتے ہیں۔
روحانی بیماریوں میں ایک عجب بھی ہے۔
جس کو فارسی میں خود پسندی کہتے ہیں۔ عجب
یہ ہے کہ کام تو اللہ کے فضل سے ہو جائے
اور انسان اس کو اپنی محنت کا نتیجہ سمجھے۔ خدا
کے فضل کو تو بھول جائے اور میں کو اس میں
داخل کر دے۔ مثلاً ایک طالب علم نے تین ماہ
دن کو سورج سے اور رات کو لالٹین کی روشنی سے
[illegible] فائدہ اٹھا کر بڑی محنت کی۔ کسی دوست
سے نہیں ملا۔ اور پاس ہو گیا۔ بے دین تو
اس کو اپنی محنت کا نتیجہ تصور کرے گا۔ اللہ
کا نام درمیان میں نہیں لائے گا۔ یہ عجب ہے
اگر تین مہینے بیمار پڑ جاتے یا پھوڑا نکل آتا

تو کیسے محنت کرتے۔ صحت اللہ نے بحال رکھی
موانعات اسی نے رفع کیے۔ تربیت یافتہ ہوگا
تو کہے گا کہ بوجھ تو بڑا تھا مگر اللہ کا فضل
ہو گیا۔ اسی نے صحت اور محنت کی توفیق
عطا فرمائی۔ عجب ایک طرح کا شرک ہے۔
قرآن میں ذوالقرنین کا قصہ آتا ہے۔ وہ
سیاحت کے لیے نکلا تو ایک ملک میں پہنچا۔
وہاں کے لوگوں نے شکایت کی۔ کہ اس درہ
سے یاجوج ماجوج کی قوم آ کر ہمیں لوٹ کرلے
جاتی ہے۔ آپ اس درہ کو بند کروا دیجئے۔
اس کے لئے ہم چندہ جمع کروا دیں گے۔ بادشاہ
نے کہا کہ مجھے چندے کی ضرورت نہیں۔ کام
میں ہمارا ہاتھ بٹا دینا۔ بادشاہ نے ایسی دیوار
بنائی کہ اب تک عقل حیران ہے۔ معلوم ہوتا
ہے کہ بز کوہی کی طرح پہاڑ پر چڑھ جانے والی
یاجوج ماجوج بھی اس کو عبور نہیں کر سکتی تھی۔
اس نے لوہے کے تختے بنا کر ان کی درزیں

بند کرنے کے لیے پگھلا ہوا تانبا ڈالا۔ عقل میں نہیں آتا۔ کہ اتنی بلند دیوار میں تانبا پگھلا کر کس طرح ڈالا ہوگا۔ پگھلا ہوا تانبا تو آگ کا پہاڑ بن گیا ہوگا جو دو میل سے بھون ڈالے گا۔ آج تو سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے۔ اس وقت تو اتنی ایجادات نہ تھیں۔ کوئی آلات ہوں گے جن سے پگھلا ہوا تانبہ ڈالا ہوگا۔ جب دیوار بن گئی تو بادشاہ سلامت یہ نہیں کہتے کہ مابدولت نے یہ کام سرانجام دیا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں:

هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ (سورۃ الکہف ۱۶ پ) یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔

دنیادار وہ نہیں ہے جن کے پاس پیسے نہ ہوں۔ بلکہ دنیادار وہ ہے جو خدا کی یاد سے غافل ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ایک پنواڑی جو خدا کی یاد سے غافل ہے وہ دنیادار ہے۔ لیکن دولت مند جو خدا کی یاد میں شاغل ہے۔ وہ دین دار ہے۔ کسی بادشاہ کی اللہ تعالیٰ نے تعریف نہیں کی، سوائے ذوالقرنین کے۔ اس میں یہی خوبی تھی۔ کہ وہ خداپرست تھا۔

آج کا سبق یہ ہے کہ اگر نیکی کرنے کی توفیق ہے تو اس کو اللہ کا احسان سمجھا جائے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

بادشاہ نے پانی کا گلاس مانگا۔ ہم نے دے دیا۔ یہ اس پر ہمارا احسان نہیں۔ بلکہ ہم پر اس کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو خدمت کا موقعہ دیا۔ ہم جیسے لاکھوں اس کے خادم ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس سے چاہے کوئی نیکی کا کام لے لے۔

ہم جیسے لاکھوں کروڑوں انسان اس کی

مخلوق میں موجود ہیں۔ ہر نیکی کو اللہ کا فضل سمجھا جائے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اس کا فضل ہے۔ ذکر میں آتے ہیں تو اس کا فضل ہے۔ اس طرح طبیعت میں عجب نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عجب سے بچائے

آمین یا الٰہ العالمین ط

---

۸ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۶ اگست ۱۹۵۶ء

کامل کی صحبت کی ضرورت

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں۔ کہ یہ مجلس اللہ اللہ کرنے والی جماعت کے لئے ہے اس جماعت کی اصلاح کے لئے میں کچھ نہ کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں۔ میری آج کی تقریر کا عنوان ہے " کامل کی صحبت کی ضرورت "

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ — اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں۔

(سورۃ الذاریات ع۳ پ۲۷)

اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں ہر چیز کی دو قسمیں بنائی ہیں۔ (۱) کھری (۲) کھوٹی۔ یہاں نور کے مقابلہ میں ظلمت۔ اصلی کے مقابلہ میں نقلی، خیر کے مقابلہ میں شر ہے۔ اسی طرح انسان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ کھرے انسان ۲۔ کھوٹے انسان

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھرے انسانوں کی ضرورت ہے۔ جس طرح ہم کو ہر چیز اصلی چاہیئے نقلی نہیں چاہیئے۔ کھری چاہیئے۔ کھوٹی نہیں چاہیئے۔ مثلاً بینگن اصلی چاہیئے۔ مٹی کے بنے ہوئے نقلی نہیں چاہیئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی کھرے انسان چاہئیں۔ کھوٹوں کی اس کو ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اصلی انسان بنائے۔ آمین یا الٰہ العالمین ہ

اصلی انسان کون ہیں؟ اصلی انسان وہ ہیں۔
جن کو اپنی زندگی کے ہر کام میں فقط رضائے
مولیٰ مطلوب ہوتی ہے۔ ان کا ہر کام اس کی
رضا کے تابع ہوتا ہے۔ وہ رضائے مولیٰ
کے لیے جیتے ہیں۔ رضائے مولیٰ کے لیے
کھاتے پیتے ہیں۔ غرضیکہ وہ زندگی میں ہر قدم
اسی قاعدہ کے ماتحت اٹھاتے ہیں۔ قرآن مجید
میں ان کا ذکر کئی جگہ آتا ہے۔ میں صرف
ایک جگہ سے عرض کرتا ہوں۔ سورۃ الکہف
رکوع ۴ پارہ ۱۵ میں فرماتے ہیں:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (الآیۃ)

تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اسی کی رضامندی چاہتے ہیں اور اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹانا۔

وہ فقط رضائے مولیٰ کے طالب ہیں۔ یہی

ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ ان کا مقصد نہ دولت جمع کرنا۔ نہ جائدادیں بنانا اور نہ گریڈ بڑھانا ہے۔ ان کی صحبت اختیار کرنے کا ہم کو حکم دے رہے ہیں۔ کھوٹے انسان کون ہیں؟ ان کا ذکر سورۃ آل عمران کی اس آیت میں آتا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (سورۃ آل عمران ع ۲ پ ۳)	لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے زینت کیا ہوا ہے۔ جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے۔ اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

کھوٹے انسانوں کو خواہشاتِ نفسانی بڑی

محبوب ہوتی ہیں۔ کھانا پینا پہننا وغیرہ۔ یہ خواہشات نفسانی ہیں۔ ان کی زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ گھر میں ساز و سامان خوب صورت ہو بیوی خوب صورت ہو۔ کوٹھی عمدہ ہو۔ موٹر عمدہ ہو۔

خواہشات نفسانی میں سب سے پہلے بیوی کا ذکر فرمایا۔ بیوی بڑی پیاری ہوتی ہے بیوی آ جائے تو عام طور پر خدا اور رسولؐ بھی بھول جاتے ہیں۔ خدا کے احکام کی تعمیل ہو نہ ہو لیکن بیوی کی ہر فرمائش پوری کرنا فرض عین سمجھا جاتا ہے۔ حلال کی کمائی سے اگر پوری نہیں ہو سکتی تو حرام سے ہی کی جائے۔ اس کے بعد بیٹوں کا ذکر فرمایا۔ بیٹے بڑے پیارے ہوتے ہیں۔ بابوجی دفتر سے آئے چائے پی۔ بیوی نے پہلے ہی بچے کو نیکر پہنا کر اور کنگھی پٹی کر کے تیار کر رکھا ہوتا ہے۔ اس کو انگلی لگا کر باغ میں چلے گئے ظہر کی نماز دفتر کی نذر ہوئی اور عصر بیوی بچوں

نے قضا کرا دی۔ بیوی بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے توبر تو خزانے چاہئیں۔ پھر ان کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد سواری کا نمبر آتا ہے۔ اب تو موٹریں عام ہو گئی ہیں۔ لیکن پہلے زمانہ میں گھوڑا ہی بہترین سواری تھی اس لیے اس کا بھی ذکر فرما دیا۔ یہ بھی خواہشات کے پورا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ پھر دودھ پینے کے لیے گائے بھینس چاہئیں ان کے لیے کھیتی باڑی چاہیئے۔ یہ خواہشاتِ نفسانی کا پھیلاؤ ہے۔ یہ کھوٹے انسان ہیں جن کو بیوی محبوب ہے۔ بیٹے محبوب ہیں خدا اور رسول جن کا کلمہ پڑھا گیا ہے۔ ان کی کچھ پروا نہیں۔ سب خواہشاتِ نفسانی کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یعنی سب یہ چیزیں دنیا کا سامان ہیں۔ کپڑے۔ چارپائی وغیرہ کی طرح بیوی اور بچوں کو بھی دنیا کی زندگی میں استعمال کرنے کی

چیزوں میں شمار فرما رہے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ چیزیں مقصود بالذات نہیں۔ دنیا کی زندگی بسر کرنے کا فقط سامان ہیں۔

بیوی اس لیے ہے کہ پکا پکایا کھانا مل جائے۔ خود پکائے تو آدھی رات ہو جاتی۔ کھانا کھا کر خدا کی یاد کے لیے مسجد چلے گئے۔ اسی طرح بیٹوں وغیرہ کو بھی خدا کی یاد کا ذریعہ بنایا جائے۔ کھوٹے انسان ان چیزوں کو مقصود بالذات بناتے ہیں۔ کھرے انسان ان کو خدا کی یاد کا ذریعہ بناتے ہیں وہ فارغ وقت میں اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ جب اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے روحانیت میں جلا پیدا ہوتی ہے تو خدا کے بندوں کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے۔ بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی میری رائے ہے کہ کامل کی صحبت میں جانے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ان کو دیکھا اور اپنے

آپ کو دکھایا جائے۔
خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ (الحدیث) اللہ کے برگزیدہ بندے وہ ہیں جن کو دیکھا جائے تو خدا یاد آئے

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ایک دفعہ حضرت رائے پوری کی خدمت میں رائے پور جا رہے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ چلا گیا۔ جاتے وقت السلام علیکم کہا اور رخصت ہوتے وقت السلام علیکم کہا۔ نہ مزاج پرسی کی اور نہ کوئی اور بات کی۔ یہی ادب بزرگان کا اصلی ادب ہے کہ اپنے حالات بیان کر کے ان کا وقت ضائع نہ کرے۔ بلکہ ان کی نظر عنایت سے فائدہ اٹھائے جس کا اشارہ دل را بدل رہیست میں ہے۔ ایک دن رہا۔ آتے ہوئے ادباً اجازت خود نہیں مانگی۔ بلکہ دوسرے شخص کی معرفت عرض کی۔ ان کے سامنے میں بیٹھا تھا کہ درد شروع ہو گئی۔ اب نفس کہے کہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھو۔ میں نے کہا۔ کہ نہیں۔ اسی طرح مؤدب بیٹھنا

پڑے گا۔ اس ادب کا نتیجہ ہے۔ کہ اب
جب ان کا کوئی خاص آدمی آتا ہے تو شفقت
سے ضرور سلام بھجواتے ہیں۔
کھرے انسانوں کا ہر کام اللہ کی رضا کے
لیے ہوتا ہے۔ وہ بیوی اس لیے لاتے ہیں
کہ غیر پہ نظر بد نہ پڑے اور اللہ ناراض نہ ہو
جائے۔ اس کی خدمت اس لیے کرتے ہیں
کہ اس کے ماں باپ کے گھر سے خدا اور
رسولؐ کا واسطہ دے کر لائے ہیں۔ وہ ڈرتے
ہیں کہ اگر خدمت نہ کی تو وہ بارگاہِ الٰہی میں
شکایت کرے گی کہ مجھے ستاتا تھا۔ اس قسم
کے لوگوں کا ہر کام اللہ کی رضا کے لیے ہوتا
ہے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ دعاجانی
والے کا واقعہ ہے کہ جماعت ایک دفعہ ریاست خیرپور میرس گئی حضرت
امروٹیؒ بھی ہمراہ تھے۔ سب لوگ حضرت سے اجازت لے کر
ڈیجی کا کوٹ دیکھنے گئے مگر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نہیں گئے
حضرت امروٹیؒ نے وجہ پوچھی تو عرض کی کہ حضرت نیت سمجھ
نہیں آئی۔

میوہ ز میوہ رنگ گیرد

انسان کے اندر کے جذبات کا دوسروں پر اثر ہوتا ہے۔ اس لیے میں ہمیشہ صحبت پر زور دیا کرتا ہوں۔ جو خود کھرے ہیں۔ ان کی صحبت میں مدت مدید تک رہنے سے رنگ چڑھ جاتا ہے۔

اوّل تو کامل (کھرے انسان) ملنے مشکل ہیں۔ اگر مل جائیں تو ہر شخص ان سے فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ فیض حاصل کرنے کے لیے عقیدت، ادب، اور اطاعت کی ضرورت ہے ش یہ چیزیں حضور کے زمانہ مبارک سے لینا ہوں۔ عبداللہ بن ابی کو حضور سے نہ عقیدت تھی۔ نہ ادب اور اطاعت کرتا تھا۔ اس لئے مسجد نبوی میں آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کے باوجود بھی جہنم کا ایندھن بنا۔

گھول با گھوٹ کر کوئی نہیں بدلتا۔ مدت مدید تک صحبت میں رہنے سے رنگ چڑھتا ہے

صحابۂ کرام میں بجز معدودے چند صدیق اکبرؓ اور ابوذر غفاریؓ اکثر اسلام لانے سے پہلے شرک میں مبتلا تھے۔ حضورؐ کی صحبت حاصل ہوئی تو اعلیٰ درجہ کے مواحد بن گئے۔ استعداد موجود تھی۔ تاثیر ادھر سے ہوئی۔ اور قرآن کی تعلیم اور حضورؐ کی صحبت نے انقلاب برپا کر دیا۔

کھرے انسانوں کی برکت سے اسلام زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ناقص انسانوں کے دائرہ سے نکال کر کامل انسانوں کے دائرے میں شامل فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین ؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابۂ کرام سے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن کو ایک نور عطا ہوتا ہے۔ صحابۂ کرام کے دریافت کرنے پر آپ نے اس نور کی تین علامتیں بیان فرمائیں اور انسان کامل کی بھی یہی علامتیں ہیں۔

۱۔ التجافی عن دار الغرور۔ یہ دنیا دھوکہ کا گھر ہے

اس کی ہر چیز بے دفا ہے۔ کامل کی صحبت نصیب ہو جائے۔ تو پھر انسان۔ گھوڑے کرسی۔ موٹر۔ بیوی بچے سب کو بے دفا سمجھتا ہے۔

۲۔ الانابت الی دارالخلود۔ دنیا سے ہٹ کر طبیعت کا رخ آخرت کی طرف ہو جائے

۳۔ استعداد للموت قبل نزولہ۔ موت سے پہلے موت کی تیاری شروع ہو جائے۔

بعض انسانوں کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے اور یہی کامل انسان یعنی اللہ والے ہوتے ہیں بعض کو دیکھنے سے خدا بھول جاتا ہے۔ ایک شخص نے مجھے بتلایا کہ وہ اللہ اللہ کرتا تھا۔ اس کی برکت سے اس کے دل میں چراغ روشن تھا۔ ایک دفعہ وہ پانی والے تالاب کی طرف سے آرہے تھے۔ سنہری مسجد کے قریب ایک حسینہ جمیلہ نوجوان ہندو لڑکی پر ان کی نظر کا پڑنا تھا کہ چراغ فوراً بجھ گیا۔ پھر

آج تک روشن نہیں ہوا۔ یہ تو عورت تھی بعض مرد ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے آنے سے طبیعت گھنٹوں تک ٹھیک نہیں ہوتی۔ اللہ کے ذکر سے ذاکر کی طبیعت بے حد نازک ہو جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہ نازک مزاج ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں نہیں۔ دراصل اللہ والے نازک مزاج ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کامل انسان بنائے آمین یا الہ العالمین تاکہ ہر عمل حیات میں اللہ کی رضا مطلوب ہو جاتے۔ اس کا طریقہ بھی عرض کر چکا ہوں۔ اللہ والے ہر چیز کے ناقد ہوتے ہیں جو کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرتے ہیں۔ مثلاً صراف سونے اور چاندی کی پہچان کرتا ہے انسانوں کو بھی پرکھنے والے اللہ کے بندے ہوتے ہیں۔

۱۵ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۵۶ء

تزکیہ کی برکات

میں ہمیشہ آپ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ مجلس اللہ اللہ کرنے والے احباب کی تربیت کے لیے ہے۔ چونکہ ذکر کی تلقین کی جا چکی ہے۔ اصل میں تو یہ مجلس روزانہ ہونی چاہیئے۔ لیکن چونکہ روزانہ اکٹھے ہونا مشکل ہے۔ اس لیے ہفتہ میں ایک بار ہوتی ہے۔ یہ مجلس روحانی امراض سے پاک ہونے کے لیے ہے دنیا میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس سے جس کسی شخص کا بھی تعلق ہو۔ وہ ہر جسمانی مرض سے پاک ہو۔ بیوی اس کو خاوند چاہتا ہے جو ہر مرض سے شفایاب ہو۔ دق اور سل کی مریضہ نہیں چاہتا۔ بیٹے کو بھی ہر لحاظ سے شفایاب چاہتا ہے۔ نوکر بھی صحت مند

چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی ایسے بندے چاہئیں۔ جو امراض روحانی سے پاک ہوں۔ جس طرح جسمانی امراض کے معالج ہوتے ہیں۔ اسی طرح امراض روحانی کے بھی معالج ہوتے ہیں۔ روحانی امراض کے معالج انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ اور ان کے بعد ان کے دروازے کے غلام جن کو صوفیائے کرام کہتے ہیں۔ یہ ڈیوٹی ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض اربعہ کا ذکر آتا ہے۔ فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ	اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے
فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا	ان پڑھوں میں ایک رسول
مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ	انہیں میں سے مبعوث فرمایا
اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ	جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا
وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	ہے اور انہیں پاک کرتا ہے
وَالْحِكْمَةَ۔	اور انہیں کتاب و حکمت
(سورۃ الجمعۃ ع ۱ پ ۲۸)	سکھاتا ہے۔

وہ فرائض اربعہ یہ ہیں :-

۱۔ تلاوتِ آیات : حضورؐ قرآن مجید کی آیات اللہ تعالیٰ سے جبرئیل کی معرفت لے کر صحابۂ کرام کو پہنچا دیتے تھے۔

۲۔ تزکیۂ نفس : حضورؐ صحابہ کرام کا تزکیۂ نفس فرماتے تھے۔ آپ کی صحبت بابرکت کا یہ نتیجہ ہوتا تھا۔ کہ ان کے اندر سے تمام امراض روحانی نکل جاتے تھے۔

۳۔ تعلیم کتاب : حضورؐ صحابۂ کرام کو قرآن مجید کی آیات کا مطلب سمجھاتے تھے۔ تلاوتِ آیات اور چیز ہے۔ تعلیم کتاب اور چیز ہے۔ صحابۂ کرام حضورؐ سے مختلف چیزوں کے متعلق سوال کرتے تھے۔ اور آپ ان کا جواب دیتے تھے۔ مثلاً وہ یتامیٰ کے متعلق پوچھتے ہیں۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتَامٰى۔ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ

۴۔ تعلیمِ حکمت

پاکیزگی دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ ظاہری پاکیزگی اس کو طہارت کہتے ہیں

۲۔ باطنی پاکیزگی: اس کو تزکیہ کہتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ بندہ مقبول اور
محبوب ہے۔ جس کا تزکیۂ نفس ہو چکا ہو
یعنی جو امراضِ روحانی سے پاک ہو۔

جسمانی امراض کی تکلیف موت تک ہے
جو مریض کل تک ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا
تھا۔ آج جب دم نکل گیا۔ تکلیف ختم ہو
گئی اور مرض سے آرام آ گیا۔ اس کے بعد
اس کو جتنی جلدی ہو سکے۔ سپرد خاک کر دینا
چاہیے۔ یہ اللہ کی امانت ہے۔ یہ غلط رسم
ہے کہ فلاں رشتہ دار کو تار دیا ہے۔ وہ آکر
منہ دیکھ لے تو جنازہ اٹھے گا۔ روحانی بیماریاں
مرنے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتیں۔ وہ قبر میں
بھی تڑپائیں گی۔ اور حشر میں بھی۔

اگر امراضِ روحانی سے جیتے جی شفا نہ ہوئی

تو ان کے علاج کا اللہ کے ہاں ایک ہی ہسپتال ہے۔ جس کا نام دوزخ ہے۔ مگر ہسپتال کی طرح اس کے مختلف وارڈ ہیں۔ بعض امراض روحانی کے مریض شفایاب ہو کر دوزخ سے نکل آئیں گے بعض روحانی امراض مہلک ہیں۔ ان کے مریض ابد الآباد جہنم میں رہیں گے۔ اور کبھی نکلنے نہ پائیں گے!

مہلک روحانی امراض یہ ہیں:

۱۔ کفر۔ ۲۔ شرک۔ ۳۔ نفاق اعتقادی۔

اللہ تعالیٰ کا حکم آیا۔ ہادی نے پوری طرح سمجھایا۔ لیکن ذاتی اغراض کی بنا پر انکار کر دیا۔ یہ کفر ہے۔ جو شہری صاحب جائداد اور زمیندار میراث کے معاملہ میں شریعت کا انکار کر کے رواج کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے۔ جس کے سامنے انسان ہستی کی سپر ڈال دے۔ اس میں غیر کو شریک بنانا شرک ہے۔ قرآن مجید پہ اعتراض کرنے والے نفاق اعتقادی

کے منافق ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹنا وحشیانہ سزا ہے۔ وہ منافق ہیں۔ پردہ پر اعتراض کرنے والے بھی اسی مد میں آتے ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ ۱۰ع پ۱)	کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو۔ پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں ذلیل ہو اور قیامت کے دن بھی سخت عذاب میں دھکیلے جائیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

یہ آیت اصل میں یہود کے حق میں ہے۔ لیکن اس میں وہ شخص بھی آتے ہیں۔ جو قرآن کے بعض حکموں کو تو مانتے ہیں اور بعض کا انکار

کرتے ہیں ۔ پردہ ۔ شرعی حدود اور سود کے متعلق احکامِ قرآن پر اعتراض کرنے والے بھی اسی مد میں آتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کے لیے نہ شفاعت ہے نہ نجات ہے ۔

کچھ امراض روحانی قابلِ علاج ہیں ۔ مثلاً کبر ۔ عجب ۔ حسد ۔ یہ بھی جہنم میں پہنچائیں گے مگر ان کا مریض سزا بھگت کر نکل آئے گا حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ بہشت میں نہیں جائے گا ۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ ہر شخص کا دل چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں ۔ اس کا جوتا اچھا ہو ۔ آپ نے فرمایا ۔ کہ یہ تکبر نہیں ہے ۔ اس کے بعد آپ نے تکبر کی تعریف فرمائی ۔ بطر الحق و غمط الناس (حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنا ۔)

ہمیں اگر اللہ نے دولت دی اور غریب کو نہیں دی تو اس میں اس کا کیا قصور ہے ۔ اس

کہ اس بیچہ حقیر سمجھنا کہ اس کے کپڑے پھٹے پرانے ہیں اور جوتا ٹوٹا ہوا ہے۔ یہ تکبر ہے۔
ع خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے
دولت، اور طغیانی لازم ملزوم ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ عُجب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمائی۔ تو اس کو اللہ کے فضل کے بجائے اپنی محنت کا نتیجہ سمجھے۔ قارون مرض عجب میں مبتلا تھا۔ اللہ والے اس کو نصیحت فرماتے ہیں۔

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ	جب اس سے اس کی قوم نے
لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ	کہا اترا مت۔ اللہ اترانے والوں
لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ	کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ تجھے
وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ	اللہ نے دیا ہے اس سے
الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَ لَا	آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ
تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ	دنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی
الدُّنْيَا وَ اَحْسِنْ كَمَا	کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ
اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَ	بھلائی کی ہے۔ اور ملک میں

لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ۔ فساد کا خواہاں نہ ہو - بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا - (پ۲۰ ع۱۱)

اللہ والوں کی اس وعظ و نصیحت کا وہ یہ جواب دیتا ہے :

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ کہا یہ تو مجھے ایک ہنر سے ملا ہے جو میرے پاس ہے

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کی ساری دولت کو زمین میں دھنسا دیا - تاکہ وہ ملعون دولت کسی دوسرے کے کام ہی نہ آئے -

فَخَسَفْنَا بِہٖ وَبِدَارِہِ الْاَرْضَ (سورۃ القصص پ۲۰ ع۱۱) پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو زمین میں دھنسا دیا

اللہ والے تو اللہ اللہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں - اور وہ اپنی قابلیت کا ذکر کرتا ہے -

بیعت کا منشا یہ ہوتا ہے - کہ بیعت کرنے والے کا تزکیۂ نفس ہو جائے - اللہ اللہ

کرنے کی برکت سے امراض روحانی سے شفا
ہو جاتی ہے۔ کبر، عجب اور حسد نہ رہے۔ یہ
تزکیۂ نفس ہے۔ حسد حرام ہے۔ غبطہ جس کو
فارسی میں رشک کہتے ہیں۔ وہ جائز ہے۔ حسد
یہ ہے کہ کسی سے کالے علم کا تعویذ لیا۔ کہ
پڑوسن کا بچہ مر جائے۔ اور میرے ہاں ہو جائے
یہ حرام ہے۔

غبطہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ
اے اللہ تو نے فلاں عورت کو بیٹا دیا ہے
تیرے ہاں بیٹوں کی کیا کمی ہے۔ اس کا بھی
سلامت رہے اور مجھے بھی عطا فرما یہ جائز ہے
کامل کی صحبت میں طالب صادق کے اندر
سے یہ باطنی امراض نکل جاتے ہیں۔ کامل سے
فیض حاصل کرنے کے لیے عقیدت، ادب اور
اطاعت کی ضرورت ہے۔

میرے دو مربّی ہیں (۱) حضرت دین پوری۔
(۲) حضرت امروٹیؒ۔ حضرت امروٹیؒ کا آج سے

۶۲ سال قبل کا واقعہ مجھے یاد ہے۔ حضرت کے
لنگر میں کچھ کھجور کے درخت تھے۔ ایک دن
میری موجودگی میں ایک شخص نے شکایت کی۔
کہ حضرت بچے کچی کھجوریں توڑ کر کھاتے ہیں۔
حضرت کا ایک خادم تھا۔ جس کا نام اللہ درایا تھا
آپ نے اس سے فرمایا۔ کہ اللہ درایا! ان
بدمعاشوں کو پکڑ کر لاؤ۔ تاکہ میں ان کو سزا دوں
اللہ درایا کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ کہ
حضرت! سب سے بڑا بدمعاش تو میں ہوں۔
اس کا یہ کہنا تھا کہ حضرت خاموش ہو گئے۔
اس نے حضرت کی طبیعت کا رخ پھیر دیا وہ
جاہلِ مطلق تھا۔ لیکن صحبت کا اس پر اثر تھا

صدقے میں تیرے ساقی مشکل آسان کر دے
ہستی مری مٹا دے خاکِ بے جان کر دے

اللہ والے ہستی مسل کر رکھ دیتے ہیں۔ اللہ ہو
سیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تزکیۂ نفس ہو جائے
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (سورۃ النساء ع ۱۱ پ۵)	تجھے جو بھلائی بھی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

آج کا سبق یہی ہے کہ اگر راحت پہنچے تو اس کو اللہ کا فضل سمجھا جائے۔ اور اگر کوئی تکلیف آئے تو اس کو اپنے کسی گناہ کی شامت سمجھا جائے۔ سندھی میں کسی نے کہا ہے:

مہر سائیں جی دائما، قہر سائیں جی گاہ گاہ
ہلی ہوجے تاں واہ واہ ہوں ہوجے تاں ٹھاہ!!

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ۱/۱۰۰ حصہ دنیا میں نازل شدہ ہے۔ اس میں ایک ماں کے حصہ میں کتنا آیا ہوگا۔ ماں اولاد پر ہر وقت شفقت کرتی ہے۔ لیکن کبھی مارتی بھی ہے۔ اس کی مار بھی شفقت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہمارے کسی گناہ کے باعث سزا دے تو یہ بھی اس کی شفقت ہے کہ سزا

یہاں مل گئی۔ اگر قیامت کے دن تک اکٹھی ہوتی رہتی تو وہاں زیادہ ملتی۔ ؎

غفلت آدمی اس کو نہ جانیگا خواہ ہو کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

کامل کی صحبت میں یہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر کسی نے گالی دی تو اس سے نہ لڑے گا۔ بلکہ یہ سوچے گا کہ کس گناہ کی سزا ملی ہے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو دنیا سے پاک ہو کر جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین! وما علینا الا البلاغ ۔

---

۲۲ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۵۶ء

دنیا کے مروجہ علوم میں سب سے کامل علم کتاب و سنت کا ہے

ہر مجلس میں کوئی نہ کوئی نئے صاحب ہوتے

ہیں اس لئے مجھے ہر بار یہ عرض کرنا پڑتا ہے
کہ یہ مجلس ان احباب کی رہنمائی اور تربیت
کے لیے ہوتی ہے جو اللہ کا نام سیکھنے کے
لیے جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
مجھے اور ان کو اللہ اللہ کرنے کی توفیق عطا
فرمائے۔ تاکہ اللہ کے پاک نام کی برکت
سے عمل کی توفیق نصیب ہو۔ جب دنیا
سے رخصت ہو کر جائیں تو اللہ تعالیٰ کو
راضی کر کے جائیں اور ہماری قبریں رَوْضَۃٌ
مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ (بہشت کے باغوں میں سے
باغ) بن جائیں۔ جن کا اللہ اللہ کرنے کا
تعلق نہیں وہ بڑی خوشی سے آئیں۔ مجھے
کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میری ذمہ داری اللہ اللہ
کرنے والوں کے متعلق ہے۔ میں سوچ کر
آتا ہوں۔ تین چار دن برابر سوچتا رہتا ہوں
کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی امت
آئے گی ان سے کیا کہوں مجلس ذکر کی

تقریر کے علاوہ جمعہ کا خطبہ بھی ہوتا ہے اس کے لیے بھی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ وہ ہزاروں مسلمانوں کے ہاتھوں میں جاتا ہے۔ ہفت روزہ "خدام الدین" میں مجلس ذکر اور جمعہ کا خطبہ دونوں چھپتے ہیں۔ الحمدُ لِلّٰہ یہ چار سو سے شروع ہوا تھا اور اب ۲۳ سو چھپ رہا ہے اس میں ہم نہ سیاست اور نہ کسی جماعت کے خلاف کچھ لکھتے ہیں۔ مودودی صاحب کے خلاف میرے مضامین "زلزلۂ پاکستان" میں چھپتے رہتے ہیں۔ ابھی چند دن ہوئے۔ میں نے ان سے سوال کیا تھا کہ آپ نے مکّہ معظّمہ اور حرم پاک کے متعلق پہلے جو کچھ لکھا تھا وہ درست ہے یا غلط۔ لیکن "خدام الدین" میں ان کے خلاف آج تک ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔

آج میں جب ذکر میں آ کر بیٹھا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے مضمون سمجھا دیا۔ یہ نہیں۔ کہ

دماغ میں مضامین آتے نہیں - آتے ہیں مگر طبیعت نہیں ٹکتی نہیں - جب طبیعت ٹک جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے شرحِ صدر ہو جاتی ہے - جب میں خطبہ لکھتا نہیں تھا تو بعض اوقات منبر پر بیٹھ کر طبیعت کسی مضمون پر ٹکتی تھی - اب بھی لکھتے وقت کئی کئی دن سوچتا اور قرآن کی ورق گردانی کرتا رہتا ہوں - آپ سب آزاد اور میں پابند ہوتا ہوں - آج اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ اس مضمون پر کچھ کہو کہ "دنیا کے تمام مروّجہ علوم میں سب سے کامل سب سے اعلیٰ - سب سے زیادہ بصیرتیں پیدا کرنے والا سب سے زیادہ کارآمد - سب سے زیادہ دُور رس - ماضی حال اور مستقبل پر روشنی ڈالنے والا - اللہ تعالیٰ سے روشناس کرانے والا - با اخلاق بنانے والا - صحیح معنوں میں انسان بنانے والا - دنیا کی ذلتوں سے بچانے والا اور آخرت میں عذاب

الٰہی سے نجات دلانے والا علم فقط کتاب و سنت کا علم ہے"

یہ سب خوبیاں کتاب و سنت کے علم میں پائی جاتی ہیں اور مسلمان اس سے بے خبر ہیں۔ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے ہیں۔

آج کل سائنس دانوں کی کتنی عزت ہے لیکن ان کا کام ان گوشت پوست، ہڈیوں کے ڈھانچے کے لیے سہولتیں پیدا کرنا ہے پہلے مسلمان بادبانی کشتیوں میں حج کے لیے جاتے تھے۔ مولانا خیر محمد صاحب سنابلی مرحوم نے مجھے بتلایا کہ وہ ایک دفعہ بادبانی کشتی میں حج کے لیے گئے تھے۔ ہوا کے نہ چلنے کے باعث کشتی سترہ دن تک سمندر میں ایک جگہ کھڑی رہی۔ اب جہاز بن گئے ہیں وہ انجن سے چلتے ہیں ہوا چلے یا نہ چلے۔ لاکھوں من لوہے کا جہاز پانی پر چلا دیا۔ واقعی بڑی ترقی ہو گئی؟ پہلے بحری جہاز گیارہ دن

میں جدّہ پہنچتے تھے۔ اب سنا ہے چھ دن میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ ترقی کی تو ہوائی جہاز بنا لیے۔ ہمارا ہوائی جہاز پونے سات گھنٹے میں کراچی سے جدّہ پہنچ گیا تھا لیکن اس ترقی میں ہوا کیا؟ کون سی خوبی آگئی؟ کیا لوگ پہلے سے زیادہ باخدا ہوگئے یا ان میں خوف خدا پیدا ہو گیا، یا کوئی آخرت کا نفع ہو گیا یا شرافت آ گئی؟ پہلے ٹیلیفون نہیں تھے۔ پھر ٹیلیفون ایجاد ہوا۔ اب سنا ہے کہ اس میں بات کرنے والے کا فوٹو بھی آئے گا۔

انسانیت اسی سائز میں آئے گی۔ گھوڑے گدھے وغیرہ کے سائز میں نہ آئے گی۔ جیسے عطر بوتل میں ہی آ سکتا ہے۔ ہاتھ۔ پڑیا، پیالے یا جوتی میں نہیں آ سکتا۔ اس سائز میں انسانیت کی استعداد ہے۔ انسان بنانے کے لئے آسمان سے چشمۂ آبحیات آتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام چشمۂ آبحیات لے کر آتے ہیں۔ اس وقت قرآن چشمۂ آب حیات ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے قرآن کا پانی دیا۔ جن کے اندر استعداد تھی۔ وہ مردود سے مقبول۔ غافل سے ذاکر۔ جہنمی سے جنتی ہو گئے
باقی سب علوم کا تعلق اس گوشت پوست ہڈیوں کے ڈھانچے کے ساتھ ہے۔ کتاب و سنت کے علم کا تعلق روحانیت کے ساتھ ہے یہ دنیا اور آخرت دونوں کے متعلق ہدایات دیتا ہے۔ یہ دنیا میں عزت دلاتا ہے اور آخرت میں عذاب الٰہی سے بچاتا ہے۔ اور کسی علم میں یہ خاصیت نہیں۔ انگریز روحانی لحاظ سے خود اندھا، مسلمان کو اندھا کر گیا۔ مسلمان خوش ہیں کہ لڑکا ایم۔ اے ہو گیا اور لڑکی بی اے ہو گئی۔ یہ پتہ نہیں کہ کلمہ بھی نہیں آتا۔ اور آخرت کے لحاظ سے نپٹ اندھے ہیں سوٹ اور ہیٹ پہن کر پھولے نہیں سماتے ہیں کہا

کہتا ہوں کہ سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پانے والے لڑکے اور لڑکیوں کے اندر اکثر ایمان نہیں ہوتا۔ دو قسم کے نوجوان اور لڑکیاں مستثنیٰ ہیں

۱۔ جنہوں نے نیک ماں باپ کے زیرسایہ تربیت پائی۔

۲۔ جو رہے تو ہوسٹل میں مگر کسی باخدا کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔

کتاب و سنت کا علم یہ سکھلاتا ہے کہ دنیا یوں گزارنی ہے اور آخرت کے لیے یہ یہ کرکے جانا ہے۔ یہ انسان اور گدھے میں تمیز کراتا ہے سائنس میں یہ خوبی ہے؟ انسان میں غیرت اور حیا ہے۔ یہ مل جل کر خدا یاد کرنے کا عادی ہے اور بنانے والے کے سامنے سربسجود ہوتا ہے۔ اگر ان کو ان چیزوں کا پتہ ہوتا تو کیا یہ ڈانس کھیلتے۔ شراب پیتے اور بدمعاشی کرتے؟

حضرت مولانا اصغر علی صاحب روحیؒ اسلامیہ کالج لاہور میں دینیات کے پروفیسر تھے۔ انہوں

نے ایک دفعہ مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا۔ کہ
سٹاف روم میں ایک نوجوان رمضان میں سگریٹ
پی رہا تھا۔ مولانا نے کہا کہ آپ کو رمضان کا
احترام کرنا چاہیئے اور اس طرح کھلے بندوں تم کو
تمباکو نوشی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس نے جواب
دیا۔ کہ میں جس چیز کو جائز سمجھتا ہوں اس کو
کیوں چھپاؤں۔ مولانا نے اس سے کہا۔ کہ کل
اپنی بیوی کو دفتر لے آنا اور سب کے سامنے
ہم بستری کرنا۔ جب یہ فعل جائز ہے تو اس کو
کیوں چھپاتے ہو؟ انگریز اس جہالت میں ہمیں
پھنسا گیا ہے۔ ایک ہیڈ ماسٹر کی لڑکی کی شادی
تھی۔ ہماری جماعت کے ایک شخص نے جو
ہیڈ ماسٹر کے رشتہ دار تھے اس کو خلافِ شرع رسوں
پر تنبیہہ کی تو کہنے لگے کہ تمہیں کس مولوی
نے یہ دین سکھایا ہے۔ انہوں نے میرا نام
بتلا دیا۔ تو کہنے لگے وہ تو وہابی ہیں انہوں
نے جب پوچھا کہ وہابی کسے کہتے ہیں تو کہنے

لگا کر جو مسئلے مسائل بیان کرے۔ تیرہ چودہ سو
لڑکے ان کے زیرِ سایہ تعلیم پا رہے ہیں جب
دین سے ہیڈماسٹر صاحب اس قدر بے بہرہ ہیں
تو لڑکوں کے متعلق خود ہی اندازہ کر لیجئے۔
جب جہالت کا یہ حال ہو تو اندازہ کیجئے۔
کہ کتاب و سنت کے علم کی اشاعت کی کتنی
ضرورت ہے؟

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
وگر خاموش بنشینم گناہ است

اکثریت کی نظر میں اس علم کی کوئی وقعت
نہیں۔ وہ رزق کے لیے علم حاصل کرتے ہیں
یہ نہیں سمجھتے کہ رزق کی قبض و بسط اللہ تعالیٰ
کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ (سورۃ رعد ع۴ پ۱۳)	اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے)

تنگ کر دیتا ہے۔

کیا حجام دولت مند اور زمیندار مقروض نہیں ہوتے ؟ تعلیم یافتہ طبقہ میں کتنی بے روزگاری ہے ؟ چاندی دی ریت نہیں سونے دی توفیق نہیں۔ تعلیم یافتہ نوجوان چھابڑی لگا نہیں سکتا اور بڑے پیمانے پر کام کرنے کے لیے سرمایہ نہیں۔ اس لئے بیروزگاری عام ہے۔ ایک اسامی کے لئے ہزاروں درخواستیں آتی ہیں کتاب و سنت کی تعلیم زندگی سنوار دیتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے زندگی بسر کرو۔

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	ان (عورتوں) کے ساتھ حسنِ سلوک سے زندگی بسر کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا	اور ان (عورتوں) کو نقصان پہنچانے کے لیے بند نہ رکھو

(سورۃ البقرہ ۲۹ع پ ۲ تاکہ تم ان پر زیادتی کرو)

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک نوجوان ان احکام پر عمل کرے تو اس کے لئے ہر ایک کے دل سے دعا نکلے گی یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ۔ رسول اللہ۔ سسرال سب اس سے راضی ہوں گے۔ سب کہیں گے کہ لڑکا بڑا ہی شریف ہے۔ جب تک نباہ ہوا عزت سے رکھا اور جب نباہ نہ ہو سکا تو جس طرح عزت سے لایا تھا۔ اسی طرح عزت کے ساتھ اس کے والدین کے گھر چھوڑ کر آئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرے کہ افسوس ہے کہ میرا اس سے نباہ نہ ہو سکا۔ عطائے تو بلقائے تو بخشیدم ایسے شریف لڑکے کے لیے شام ہونے سے پہلے پہلے کئی رشتے آئیں گے۔ ایسے شخص کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسرے لڑکے کو لیجئے۔ جو نہ تو نباہ کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے۔ معلق چھوڑ

رکھا ہے۔ اس کے خلاف سب کی آہیں بارگاہِ الٰہی میں جائیں گی۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

مسلمان تعلیم کا بڑا دلدادہ ہے۔ چاروں طرف تعلیم کا شور ہے۔ مگر کتاب و سنت کی تعلیم کی پروا نہیں۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ پہلے لڑکیوں میں جتنا حیا تھا۔ اتنا اب نہیں ہے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگٹ اس طرح سے حاجبِ روئے صنم ہونگے

یہ اس تعلیم کا نتیجہ ہے کہ جس کا اتنا چرچا ہے۔ جو تعلیم ضروری ہے اس کے لیے مولوی محمد مقبول عالم صاحب ہماری مسجد میں بیٹھتے رہتے ہیں مگر کوئی آتا ہی نہیں۔ استاد بی اے ہے اور مفت پڑھاتے ہیں۔ چوکی مفت۔ قرآن

مفت ۔ مکان مفت ۔ بجلی مفت ۔ سب کچھ مفت
مگر پھر بھی قرآن پڑھنے کے لئے نہیں آتے۔
عیسائیوں کے کالجوں اور سکولوں میں پڑھنے
کے لیے بڑے شوق سے جاتے ہیں۔ حالانکہ
وہ انجیل بھی پڑھاتے ہیں گویا کہ خود بچوں کو
بے ایمان بناتے ہیں۔ یہ حرام خوری کا نتیجہ
ہے۔ عربی میں کسی نے کہا ہے :

اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم الی دار الکلاب

خود حرام کھاتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں
کو حرام کھلاتے ہیں۔ اس لیے بچوں کو گرجوں
میں پڑھاتے ہیں۔ تربیت سے انسان نازک
مزاج ہو جاتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ شہر
سے دور ایک تربیت گاہ بنائی جائے۔ جہاں
داخل ہونے والے خود چکی پیسیں۔ خود پکائیں
اور کھائیں۔ ہر وقت باوضو اور ذکر الٰہی میں
مصروف رہیں۔ پھر دیکھئے طبیعت میں نزاکت
آتی ہے۔ لیکن ۵

کریماں را بدست اندر درہم نیست
خداوندانِ نعمت را کرم نیست

اپنے پلّے پیسے نہیں جن کے پاس پیسے ہیں ان کو اس کی ضرورت کا احساس نہیں۔ حرام کا لقمہ کھایا دل سیاہ ہو گیا۔ کوئی بے دین آ گیا تو دل سیاہ ہو گیا۔ طبیعت میں نزاکت کہاں سے آئے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کتاب و سنّت کے علم سے اپنے سینوں کو منوّر کرنے، اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

---

۲۹ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء

ظاہری صفائی سے زیادہ باطنی صفائی کے اہتمام کی ضرورت ہے

عرض یہ ہے کہ یہ حلقۂ ذکر اللہ اللہ کرنے

والی جماعت کے لیے ہے۔ دوسرے احباب بھی آتے ہیں۔ چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ اصل میں یہ مجلس حلقۂ ذکر میں منسلک ہوئے والوں کی اصلاحِ باطن کے لئے ہوتی ہے۔

ظاہری صفائی کتنی مشکل ہے۔ اس کے لئے کتنا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ کپڑے دُھلے ہوئے ہوں۔ جسم صاف ستھرا ہو۔ کنگھی پٹی کی ہوئی ہو۔ باطن کی صفائی کے لئے اس سے بھی زیادہ اہتمام کی ضرورت ہے۔ منافقین کی ظاہری صفائی کی اللہ تعالیٰ بھی شہادت دیتے ہیں۔ ارشاد باری ملاحظہ ہو:

وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ	اور جب ان کو دیکھیں تو ان
اَجْسَامُهُمْ ؕ وَاِنْ	کے ڈیل ڈول اچھے لگیں گے
یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ	اور اگر وہ بات کریں تو آپ
كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ	ان کی بات سن لیں گویا کہ وہ
یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ	دیوار سے لگی ہوئی لکڑیاں ہیں
عَلَیْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ	وہ ہر آواز کو اپنے ہی اوپر

فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَکُوْنَ (سورۃ المنافقون ا ع پ۲۸)

خیال کرتے ہیں وہی دشمن ہیں پس ان سے ہوشیار رہیئے۔ اللہ انہیں غارت کرے۔ یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں۔

ان کی ظاہری وضع قطع ڈیل ڈول کی اللہ تعالیٰ بھی تعریف فرما رہے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ان کو دیکھ کر تعجب کرنے لگتے ہیں۔ باتیں بھی ایسی سوہنی کرتے ہیں کہ آپ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے ہیں۔ لیکن باطنی صفائی نہ ہونے کے باعث مردود بارگاہ الٰہی ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ان کی مثال لکڑی کی ہے جو دیوار کے سہارے کھڑی کر دی جائے تو کھڑی رہے گی۔ اگر دیوار کا سہارا نہ رہے تو گر پڑتی ہے۔ ان میں منافقین کے اپنے اندر ایمان کی طاقت نہیں۔ اس لیے ان کی ظاہری صفائی کسی کام نہ آئے گی۔ اسی سورۃ میں آگے چل کر منافقین کے متعلق ارشاد

فرماتے ہیں :-

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۞	برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے معافی مانگیں یا نہ مانگیں۔ اللہ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ بے شک اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔

ان آیات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ ظاہر کی صفائی نمبر دوم اور باطن کی صفائی نمبر اوّل ہے۔ باطن کی صفائی سے دل کی صفائی مراد ہے۔ باطن کی صفائی کا نام تزکیہ ہے۔ دل سارے جسم میں مرکز کی حیثیت رکھتا ہے اگر دل پاک ہے تو سارا جسم پاک ہے۔ اگر دل پلید ہے تو سارا جسم پلید ہے اگر کنوئیں میں زہر ڈال دیا جائے تو جو اس کا پانی پیئے گا وہ مرے گا۔ خواہ گلاس کتنا ہی صاف ستھرا ہو۔ اگر دل پلید ہے تو جسم اور کپڑوں کی

عفانی عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے گی۔ اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ملاحظہ ہو:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً	بے شک (انسان) کے جسم
اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ	میں البتہ ایک گوشت کا ٹکڑا
الْجَسَدُ وَاِذَا فَسَدَتْ	ہے۔ جب وہ درست ہو جاتا
فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ	ہے تو سارا جسم درست ہو
اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ	جاتا ہے۔ اور جب وہ خراب

ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار۔ اور وہ دل ہے۔

دل پر باطن کی اصلاح کا دار و مدار ہے۔ انسان کے جسم میں دل بادشاہ ہے۔ دماغ اس کا وزیر (مشیر) ہے اور باقی اعضاء اس کی فوج ہیں۔ اصل میں دل سے ایک بات نکلتی ہے۔ دماغ اس کے متعلق غور و فکر کرتا ہے اور دل کو مشورہ دیتا ہے۔ اگر دل اور دماغ متفق ہو جائیں تو پھر فوج کو اس کام کے کرنے

کا حکم دیا جاتا ہے۔ انسانوں کی ایک قسم تو منافقین کی ہے۔ جن کا ظاہر تو ٹھیک ہے مگر باطن ٹھیک نہیں۔ اس لیے مردود ہیں۔ ایک قسم انسانوں کی ایسی بھی ہے۔ جن کے دل میں اگر نورِ ایمان ہے مگر کسی ظالم کے مجبور کرنے سے بحالتِ اضطراری وہ کلمۂ کفر منہ سے کہہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ بارگاہِ الٰہی میں قابلِ عفو ہیں۔ کیوں کہ ان کا باطن نورِ ایمان سے منور ہے۔ ان کے متعلق اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَ قَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ (پ۱۴ ع ۲۰)	مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

لہٰذا اصل چیز یہی ہے کہ باطن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ضرور درست ہونا چاہیئے۔ بیعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دل کی اصلاح ہو جائے دل کی اصلاح کا نام "تزکیہ" ہے۔ "تزکیہ" کا یہ

مطلب ہے کہ دل ماسوا اللہ سے پاک ہو جائے۔ اب میرا معمول یہ ہے کہ بیعت کے وقت میں پہلا سبق یہ دیا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانا کیجیئے۔ دل سے ماسوااللہ کو نکال دیا جائے۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ نہ زمین رہے نہ آسمان رہے۔ نہ انسان رہے اور نہ شیطان رہے۔ جب دل میں بھی اللہ کے سوا کوئی نہ رہائے۔ زبان پر بھی اللہ ہی ہو اور دماغ میں بھی اسی کا تصور ہو۔ تو ایسا شخص اگر پہلا سبق پکاتے پکاتے فوت ہو جائے تو انشاء اللہ قبر اور حشر کے عذاب سے بچ کر سیدھا جنت میں پہنچ جائے گا۔ زبان سے یہ کورس پانچ منٹ میں بتلایا جا سکتا ہے۔ کوئی اس کو دس سال۔ کوئی تیس سال اور کوئی آخری لمحۂ حیات تک بمشکل تکمیل پر پہنچاتا ہے۔ اس کے متعلق کسی نے کہا ہے۔

دلا ترسم تعلق ز مرغ آبی جو
گرچہ غرق بدریاست خشک پر برخاست

سمندر کے سفر میں یہ نظارہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک پرندہ سطح آب پر بیٹھا ہے۔ موج پر موج اس کے اوپر سے آ کر گزر جاتی ہے مگر اس پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ جب دل چاہے اڑ جاتا ہے۔ ماسوا اللہ کو دل سے نکال دینے کا یہ مطلب نہیں کہ سب سے لڑتا رہے۔ بیوی بچوں کو نکال دے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ سب کے ساتھ رہے۔ مگر دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے تعلق نہ ہو۔

ایک اور آیت ہے:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ	بدوؤں نے کہا ہم ایمان لے
اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا	آئے ہیں۔ کہہ دو تم ایمان نہیں
وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا	لائے۔ لیکن تم کہو کہ ہم
وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ	مسلمان ہو گئے ہیں اور ابھی تک

فِیْ قُلُوْبِکُمْ (سورۃ الحجرات رکوع ۲ پارہ ۲۶) — ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا محل بھی دل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان مقبول ہے جو دل میں ہو۔ خالی زبان سے ایمان کہا ہوا مقبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو تزکیہ قلب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین ط

ہر ایک کے ساتھ اللہ کے لئے تعلق رکھا جائے۔ یہی نیکی ہے۔ بیوی کی اس لئے خدمت کریں کہ اللہ کی تین آیتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مسنونہ پڑھ کر لائے ہیں اولاد کی اس لیے خدمت کریں کہ حضور کا ارشاد ہے۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ — تم میں سے سب سے بھلا وہ ہے۔ جس کا اپنے بیوی بچوں سے سلوک اچھا ہے۔

اسی طرح اللہ کی رضاء کے لیے بھائی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

اصلاح دنیا کا نام دین ہے۔ دین کوئی الگ چیز نہیں۔ ہر کام میں اللہ کی رضا پیش نظر ہو تو دین ورنہ دنیا۔ مسلمان کا ہر کام عبادت میں شمار ہو سکتا ہے صرف ایک شرط ہے کہ ہر کام میں اللہ کی رضا کی نیت بنا لی جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ہر عمل کا مدار نیت پر ہے (الحدیث)

اگر رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر ایک شخص اس نیت سے جلدی سو جائے تاکہ فجر کی نماز باجماعت پڑھ سکے۔ تو اس کی ساری رات عبادت میں شمار ہو گی۔

میرا دل کئی دفعہ چاہتا ہے کہ کپڑوں کو دھجیاں لگا کر پہنا جائے۔ لیکن اس ڈر سے نہیں پہنتا۔ کہ حالی سائل نہ سمجھا جاؤں۔ اور

قرآن کا درس بدنام نہ ہو۔ سوالی دو طرح کے ہوتے ہیں :-

۱۔ حالی ؛ جو اپنا حال دکھلا کر سائل بنتے ہیں وہ منہ سے نہیں مانگتے۔

۲۔ قالی ؛ جو زبان سے سوال کرتے ہیں۔

میرے پرداداپیر رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اونٹ کو خوب سجا کر اس پر سوار ہو کر تشریف لے جا رہے تھے۔ کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت آج یہ کیا سماں دکھا رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ میں لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ فلاں میاں کے بیٹے نے جو جوہڑ کے کنارے مویشی چرایا کرتا تھا۔ اللہ اللہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنی برکت دی۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

میری معروضات کا حاصل یہ نکلا۔ کہ تزکیہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ :

۱۔ دل ماسوا اللہ سے خالی ہو جائے تعلق سب

کے ساتھ ہو۔ لیکن دل میں مطلوب محبوب اور
مقصود فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہو۔
۲۔ ہر کام عبادت ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ نیت
رضائے الہیٰ بنا لی جائے۔ جن کے دل میں
نہ ایمان ہے اور نہ اسلام۔ ان سے جب
قبر میں سوال ہوگا۔ مَنْ رَّبُّكَ (تیرا رب کون
ہے) تو وہ جواب دیں گے۔ ھاھالا ادری
(افسوس مجھے تو پتہ نہیں) اس دنیا میں دل میں
ایمان ہوتا تو جواب دیتے۔ ربی اللہ (میرا رب
اللہ تعالیٰ ہے)۔ مَا دِیْنُكَ (تیرا دین کیا ہے) کا
بھی وہی جواب دیں گے کہ مجھے تو پتہ نہیں۔
دل میں اسلام ہوتا تو بولتا۔ کہ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ
(میرا دین اسلام ہے) جنہوں نے دین کو اپنایا
نہیں وہ کیا بولیں گے۔ طوطا کتنی باتیں کرتا
ہے۔ جب بلی کو دیکھتا ہے۔ تو سب کچھ
بھول جاتا ہے۔ اپنی اصلی بولی یاد رہ جاتی ہے
ٹیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبھ جائے فھوالمراد

جو اس سے ٹکرائے گا۔ ہم اس کو اٹھا کر پھینک دیں گے۔ اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں آتا ہے :۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ۔
(سورۃ المجادلہ ع پ ۲۸)

آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں۔ گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے

اللہ تعالیٰ باپ۔ بیٹے۔ بھائی۔ کنبہ سب کو گنا گئے ہیں۔ مقصود فقط اللہ کی ذات ہے جو ٹکرائے گا۔ اس کو ہٹا دیں گے۔

یہ توحید پرست ہیں :۔

گفتن و کردن فرقے دارد

ہم اللہ کو بھی راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور ماسوا اللہ کو بھی۔ یہ شرک ہے۔ ؏

ہم وہ بدمست قلندر ہیں۔ کبھی مسجد ہیں کبھی مندر ہیں

کبھی برادری کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی خدا کو۔ یہ نیک دنیادار ہیں جو برادری کو خدا کے درجہ پر لاتے ہیں۔ ان سے شریعت کا اتباع کرنے کے لیے کہا جائے تو کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا کے کتے کتیا ہیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ قرآن کتوں کتیوں کے لیے نہیں آیا۔ یہ بے ایمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو کچھ مجھ سے کہلواتا ہے اس پر مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اس کے لیے صحبت کی ضرورت ہے

بیلے میوہ ز میوہ رنگ گیرد

میں کہا کرتا ہوں کہ دل ہے زمین۔ قرآن ہے چشمۂ آبحیات اور مالی اصل میں تو آنحضرت

صلّی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب آپ کے دروازہ
کے غلام یہ کام کرتے ہیں۔ دل کو قرآن کا
پانی دیا جائے تو ایمان مضبوط ہو جاتا ہے
کہ کسی کی پرواہ نہیں رہتی۔

اللہ والوں کی صحبت میں رنگ چڑھ جاتا
ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنے دروازہ
پر سدا ہی آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مسلسل
آنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا
ہر ارشاد کرای العین معلوم ہوتا ہے۔

مشکلے نیست کہ آساں نشود
مرد باید کہ ہراساں نہ شود

میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ کے دروازہ پہ
جو آتا ہے۔ وہ خالی نہیں جاتا۔ بشرطیکہ نیت
میں اخلاص ہو اور جو نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ اس
کو دینے نہیں جاتے۔ مجھے کیا ضرورت ہے
کہ میں ان کی کوٹھیوں میں ان کو قرآن پڑھانے
کے لیے جاؤں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے

یہاں پر میرے پاس قرآن سننے کے لیے
بھجوا دیتے ہیں۔

---

۷ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۳؍ ستمبر ۱۹۵۶ء

مُحاسبہ

میری آج کی معروضات کا عنوان ہے محاسبہ
یعنی اپنا حساب خود لینا۔

صوفیاء کرام فرمایا کرتے ہیں:

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا
اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے

اس کا اشارہ قرآن مجید میں بھی ملتا ہے۔
غالباً صوفیائے کرام نے وہیں سے یہ لیا ہے
سورۃ المومنون رکوع ۶ پارہ ۱۸ میں آتا ہے
اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو کہتے تھے اے ہمارے رب ہم ایمان لائے

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل سے مانتے ہیں اور فَاغْفِرْ لَنَا اپنے گناہوں کو سامنے رکھ کر ہی کہہ رہے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ پہلے انہوں نے اپنے اعمال کا محاسبہ کیا۔ اور اس کے بعد اپنے گناہوں کی معافی کے لئے درخواست کی۔

ایک اور جگہ آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے انبیاء علیہم السلام کی معیت میں جہاد کے لئے جاتے ہیں۔ یہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں۔ میدان جہاد میں پہنچے ہوئے ہیں۔ جب فتح میں دیر اور جہاد میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں۔ کہ اے اللہ! ہم سے غلطی ہو گئی ہے جس کی وجہ سے فتح نہیں ہو رہی۔ اس غلطی کو معاف فرما دے اور ہمیں ثابت قدم رکھیو۔ یعنی ہمارے قدم

ڈگمگانے نہ پائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنا محاسبہ کئے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید میں ان مجاہدین کے حالات یوں بیان فرمائے گئے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ	اور کئی نبی ہیں جن کے ساتھ
قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ	ہو کر بہت اللہ والے لڑے ہیں
كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا	پھر اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچنے
لِمَآ اَصَابَهُمْ	پر نہ ہارے ہیں اور نہ سست
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ	ہوئے ہیں اور نہ وہ دبے
مَا ضَعُفُوْا وَ مَا	ہیں اور اللہ ثابت قدم رہنے
اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ	والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور
الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا	انہوں نے سوائے اس کے
كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ	کچھ نہیں کہا۔ کہ اے ہمارے
قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا	رب! ہمارے گناہ بخش دے
ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ	اور جو ہمارے کام میں ہم سے
اَمْرِنَا وَثَبِّتْ	زیادتی ہوئی ہے اور ہمارے
اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا	قدم ثابت رکھ اور کافروں کی
عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝	قوم پر ہم کو مدد دے

اللہ والے جب تکلیف آتی ہے۔ تو اسے اپنے گناہوں کی پاداش سمجھتے ہیں۔ اِسْرَافَنَا میں اسراف کے معنی ہیں تجاوز عن الحد۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

اِقْرَاْ کِتَابَكَ ط کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ط	اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے۔ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے۔

یہ قیامت کے دن محاسبہ نہ کرنے والوں سے ارشاد ہوگا۔ اگر یہاں محاسبہ کیا ہوتا تو قیامت کے دن ذلت نہ ہوتی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اندر اللہ تعالےٰ نے اپنا محاسبہ کرنے کی استعداد اور قابلیت رکھی ہے۔ صوفیاء کرام نے اللہ تعالیٰ کے کلامِ پاک سے ہی لے کر ہم کو تلقین فرمائی ہے۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا ۔

میں نے اپنے دونوں مربیوں کے ہاں دیکھا کہ وہ حضرات نمازِ فجر کے بعد اشراق پڑھ کر

مسجد سے نکلتے تھے۔ پھر نماز عصر کے بعد مغرب تک بیٹھتے تھے۔ ہمارے خاندانِ قادریہ میں یہ نشست اس لیے ہوتی تھی کہ رات کے اعمال کا محاسبہ نماز فجر کے بعد کر لیا جائے اور دن کے اعمال کا محاسبہ سورج کے غروب ہونے کے وقت تک کر لیا جائے۔ تاکہ یومیہ حساب بیباق ہوتا رہے۔ نیکی ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور اگر گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی جائے۔

میں بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس پروگرام پر عمل نہیں کر سکتا۔ درس کی خاطر نماز فجر کے بعد مجھے دس پندرہ منٹ سونا پڑتا ہے۔ اگر نہ سوؤں تو درس میں نیند آنے لگے۔

اُوْصِیْ نَفْسِیْ اَوَّلاً وَّ اِیَّاکُمْ بَعْدَہٗ۔ پہلے اپنے نفس سے اور پھر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ جانچا کیجئے۔ درس۔ مجلس ذکر اور جمعہ میں آنے سے کچھ فائدہ بھی ہوا یا نہیں۔ سمجھدار تاجر روزانہ شام

کو حساب کتاب کر کے اٹھتے ہیں - ان کو پتہ ہوتا ہے۔ کہ دکان میں مال کتنے کا تھا - آج بکری کتنے کی ہوئی - اگر دکان میں مختلف چیزیں ہیں - تو ہر ایک کے متعلق ان کو پتہ ہوتا ہے کہ کتنی قیمت کی ہے - اور شام کو کتنی بکری ہوئی - اندھا دھند کاروبار کرنے والے تاجر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ روحانیت میں بھی حساب کتاب کی ضرورت ہے۔ اندر بھی جانچا کیجیئے کہ جب بیعت نہیں کی تھی۔ تو کتنا وقت اپنی روحانی اصلاح کے لیے صرف کرتے تھے۔ اب بیعت کے بعد کتنا وقت دیتے ہیں - کچھ حاصل ہوا یا پہلے کی طرح باطن کے لحاظ سے اندھے ہی رہے۔ اسی طرح درس میں آنے سے پہلے اور بعد کی حالت کو جانچا کیجیئے۔ قرآن میں انقلابی طاقت ہے۔ مجھے اللہ

کے فضل سے پوری امید ہے کہ جو احباب مسلسل قرآن مجید کا درس سنتے ہیں وہ پہلے کفر کی رسوں کو زندہ کرنے کے لیے اڑتے اور لڑتے تھے۔ اب وہ کفر کی رسمیں کرنے والوں سے لڑتے ہیں۔ قرآن مجید پڑھا تو لا الٰہ الا اللہ کا رنگ چڑھا۔ پہلے کچھ اور تھے اب کچھ اور ہیں اب اللہ تعالیٰ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔ پہلے غیر اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے۔ پہلے دل بیوی اولاد اور ساز و سامان وغیرہ کے ساتھ وابستہ تھا۔ خدا راضی رہے یا نہ رہے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت رہے یا نہ رہے۔ بیوی اور اولاد راضی ہو جاتے۔ کسی کا دل بیوی۔ کسی کا اولاد میں اٹکا ہوا تھا یہ کنڈی شیطان نے پھنسا رکھی تھی۔ بعض کو جائداد اور بعض کو روپیہ پیارا ہوتا ہے۔ ان بیماریوں کے مریض موجود ہیں۔

اب خدا کے سوا کوئی مطلوب محبوب اور

مقصود نہیں رہا۔ بناوہ سب کے ساتھ کرتے ہیں۔
مگر دل صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔
جیسے کسی نے کہا ہے:

دلا تو رسم تعلق ز مرغ آبی جو
کہ چہ غرق بدریاست خشک پر برخاست

اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں بے شمار برکتیں
ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان اللہ
تعالیٰ سے وابستہ ہوتا جاتا ہے۔ اور ماسوا اللہ
سے کٹتا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ	آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے
بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	جو اللہ اور قیامت کے دن پر
یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ	ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ	سے بھی دوستی رکھتے ہوں۔ جو
کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ	اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت
اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ	کرتے ہیں۔ گو وہ ان کے باپ
اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ	یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ

كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (سورة المجادلہ رکوع ۳ پ ۲۸)

ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے یہ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ اس لیے میں پہلے اپنے نفس سے اور پھر آپ سے عرض کرتا ہوں حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف بالشت بھر آتا ہے تو وہ اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہے۔ اگر یہ ہاتھ بھر آئے تو اللہ تعالیٰ باع آتا ہے۔ اگر یہ چل کر آئے تو اللہ تعالےٰ دوڑ کر آتا ہے۔ انسان ادھر کا رُخ تو کرے اگر رخ ہی نہ کرے تو پھر اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی رخ تو کرے دہلی کا اور دعا کرے کہ اے اللہ تو مجھ کو پشاور پہنچا دے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اسکولوں اور کالجوں میں یہ سبق نہیں پڑھایا

جاتا ہے۔ وہاں تو اس کی تلاش ایسی ہے۔ جیسے کوئی کیکر کے درخت پر چڑھ کر بیر کی تلاش کرے۔ مدارس عربیہ میں بھی یہ سبق نہیں پڑھایا جاتا۔ یہ صوفیائے کرام کے ہاں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس سبق کو یاد رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اللہ تعالیٰ ہی میرے دل میں ڈال دیتا ہے اور میں آپ کے کانوں تک پہنچا دیتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ حلقۂ ذکر میں بیٹھنے اور میری معروضات سننے سے کچھ تو فائدہ آپ کو ہوا ہوگا۔

اس وقت دنیا میں قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ جو مندرجہ ذیل چار عنوانات پر بولتی ہے :

۱۔ قرآن ذوی الحقوق کی فہرست بتلاتا ہے۔
۲۔ ان کے نمبر بتلاتا ہے
۳۔ حقوق کے ادا کرنے کا سلیقہ سکھلاتا ہے۔

۴۔ اگر تعلقات بگڑ جائیں تو ان کو درست کرنے کا طریقہ بتلاتا ہے۔

ذوی الحقوق میں نمبر اوّل اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے بعد والدین کا نمبر آتا ہے۔ مگر آج کل کتنے ہیں جو والدین کے فرماں بردار ہیں۔ اکثریت ان کی ہے جن کو بیوی پیاری ہے اور ماں سے نفرت ہے۔ ابھی پانچ چھ دن ہوئے ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی میرے چار بیٹے ہیں۔ خاوند آوارہ مزاج ہے چاروں ہی میری خدمت نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ تم مانگ کر کھاؤ۔ ان بدبختوں کو پتہ نہیں کہ ماں ایک ہی ہے۔ جیسے شہد پر مکھیاں آتی ہیں۔ اگر دولت ہے تو روز نئی بیوی مل سکتی ہے۔ بعض نوجوان داڑھی مونچھیں منڈاتے ہیں اور باپ پرانے فیشن کا ہے۔ داڑھی رکھی ہوئی ہے۔ کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔ ان کو شرم آتی ہے اس کو باپ کہتے ہوئے۔ یہ

قرآن سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالےٰ
مجھے اور آپ کو ان باتوں کی سمجھ اور ان پر
عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین

---

۱۳ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۵۶ء

اللہ کے برگزیدہ بندے

میں ہمیشہ یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ مجلس
ان احباب کے لیے ہے جن کا بیعت کا
تعلق اس گنہگار سے ہے۔ ان کا یہ تعلق
تزکیۂ باطن کے لیے ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ
ان کے باطن کی صفائی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ
ان سے راضی ہو جائے۔ ویسے کوئی آئے تو
ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ ہم کوئی راز کی باتیں
نہیں کرتے۔ اللہ کا نام لیتے ہیں۔
یہ قاعدہ ہے کہ جس قسم کا مخاطب ہو۔

متکلم اسی قسم کی باتیں کرتا ہے۔ بچہ مخاطب ہو
تو اس سے اور طرح کی باتیں کی جاتی ہیں۔
بیوی سے اور طرح کی۔ یہ پبلک جلسہ نہیں ہے
یہ اجتماعِ خاص ہے۔ جو اس مقصد کے لیے
۴۰ - ۴۲ میل سے آتے ہیں۔ ان کی خدمت
میرے ذمہ فرض ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الا کلکم راع و کلکم
مسئول عن رعیتہ۔ وہ شام کو چار بجے آتے
ہیں اور صبح چار بجے چلے جاتے ہیں۔ وہ اس
لیے آتے ہیں کہ حلقۂ ذکر میں شریک ہوں۔
اور جو کچھ میں کہوں۔ اس کو لوحِ دل پر لکھ
کر لے جائیں اور عمل میں لائیں۔ جب وہ
اتنی دور سے آتے ہیں تو میرا بھی فرض ہے
کہ میں اصلاحِ باطن کی طرف ان کو توجہ دلاؤں
ان پر کچھ اثر ہوتا ہے تو اتنی دور سے آتے
ہیں۔ جو سنتے ہیں اور لوحِ دل پر لکھ کر چلے
جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح

باطن بھی فرما دیتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں میں
درس یا جمعہ کے دن نہیں کہتا۔ میری آج
کی تقریر کا عنوان ہے۔

خِیَارُ عِبَادِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ — اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے
اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ — وہ ہیں کہ جب ان کو دیکھا
جائے تو خدا یاد آئے۔

یہ حضور کا ارشاد ہے:

دنیا میں دو قسم کے آدمی ہیں! وہ جن کو
دنیا محبوب ہے۔ ۲۔ وہ جن کو آخرت محبوب
ہے۔ اکثریت ان کی ہے۔ جن کو دنیا محبوب
مطلوب اور مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے
خود شاکی ہیں۔ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ — یہ وہ ہیں جو دنیا کو بڑا ہی
الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ — محبوب سمجھتے ہیں اور آخرت
الْاٰخِرَةَ — کو نظرانداز کئے ہوئے ہیں۔

سورۃ القیامۃ ع پ۲۹ — (دنیا بڑی پیاری ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کہ انسان کے پیٹ کو مٹی ہی بھرتی ہے۔ ہر ایک ترقی کا خواہاں ہے۔ اگر ملازم ہے اور ۲۵ روپے ماہوار پر نوکر ہوا تھا تو اب ۱۵۰ روپے لے رہا ہے۔ مگر اور کی خواہش باقی ہے۔ تاجر پیشہ چاہتا ہے کہ دس لاکھ روپیہ چھوڑ کر مروں۔

اور شکایت سنیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ۔	لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے فریفتہ کیا ہوا ہے۔ جیسے عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے۔ اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔

(سورۃ آل عمران رکوع ۲ پ ۳)

اللہ تعالیٰ نے پہلے بیوی کا ذکر فرمایا انسان
کو بیوی بڑی پیاری ہوتی ہے۔ بیوی آئی۔ تو
ماں بھول گئی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ماں ایک
ہی ہے۔ ماں بہن اور باقی محرمات کے سوا
سارے جہان کی عورتیں بیویاں ہو سکتی ہیں۔
اگر اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہے۔ تو ایک
دن میں پچاس بیویاں کر سکتے ہو۔ ایک کو
طلاق دی اور دوسری سے نکاح کر لیا۔ انگریز
تمہیں غلط راستے پر ڈال گیا ہے۔ ابھی چند
دن ہوئے ایک عورت میرے پاس آئی۔
میں نے کہا کہ جمعہ کا دن گونروں کے لیے
رکھا ہوا ہے۔ آج میں نہیں مل سکتا۔ جب
مجھے معلوم ہوا کہ وہ قصور سے آئی ہے۔ تو
میں نے اس کو اندر بلا لیا۔ اس نے مجھے
بتلایا کہ میرا خاوند آوارہ مزاج ہے۔ میرے چار
بیٹے ہیں۔ میں نے ان کو پیٹ کاٹ کر کے
پڑھایا۔ سب کی شادیاں کیں۔ اب چاروں ہی

مجھے کچھ نہیں دیتے اور کہتے ہیں۔ کہ بھیک مانگ کر کھاؤ۔

ایک اور عورت کا واقعہ ہے جو ڈیڑھ ماہ ہوا میرے پاس آئی۔ اس کے پانچ بیٹے ہیں۔ پانچوں ہی اچھی تنخواہیں لیتے ہیں بڑا لڑکا ہزار روپیہ تنخواہ پر ملازم تھا۔ اب وہ بدبخت سات آٹھ ماہ ہوئے مر گیا ہے ماں جب ان سے مانگتی تو کہتے کہ ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہماری بیویاں دیتی ہیں تو لے لو

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

هُمَا جَنَّتُكَ وَ نَارُكَ — یہی دونوں (ماں اور باپ) تیرا بہشت اور یہی دونوں تیرا دوزخ ہیں

اسلام کی تو یہ تعلیم ہے کہ ماں اور باپ کی دعائیں لے کر گئے تو جنت ملے گی۔ اور اگر بد دعائیں لیں تو دوزخ میں ڈال دیے جاؤ گے انگریزی تعلیم یہ بنا گیا ہے کہ مائیں روتی پھرتی ہیں اور بیویاں بڑی پیاری ہیں۔ اللہ تعالےٰ

مجھے اور آپ کو اس دلدل سے نکالے۔ آمین یا الہ العالمین۔ یہ یاد رکھو کہ دس کروڑ بیویاں ایک ماں کے جوتے کے برابر بھی نہیں ہو سکتیں۔ شریعت میں ایک وقت میں چار سے زائد بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں ہے یکے بعد دیگرے جتنی چاہو کر سکتے ہو۔ بیوی نے اگر جہیز سے تمہارا گھر بھر دیا ہے۔ اور خود بھی وہ حسن و جمال میں اپنی نظیر آپ ہے اس کے مقابلہ میں اگر ماں کانی اور کوجھی ہے تو بیوی اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ انگریز یہ چاہتا تھا کہ یہ نام کا مسلمان رہے کام کا نہ رہے۔ اس میں وہ کامیاب ہو گیا ہے بیوی آئے گی تو بچے جنے گی۔ اس لئے بیوی کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کا ذکر فرمایا ماں نے پہلے ہی بیٹے کی کنگھی پٹی کر کے نیکر پہنا رکھی تھی۔ بابو صاحب دفتر سے آئے۔ بیٹا ابا ابا کر کے لپٹ گیا۔ بابو صاحب نے

جیاسے پی اور بیٹے کو انگلی لگا کر باغ میں سیر
کرانے کے لیے لے گئے۔ ظہر کی نماز دفتر
میں گئی۔ عصر اور مغرب کی نماز بچے کی سیر
کرانے میں گئی۔ بیوی اور بچوں کی ضروریات
پوری کرنے کے لیے دولت چاہیئے۔ اس لئے
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تو بہ تو خزانوں کا
ذکر فرمایا۔ روپیہ بڑا پیارا ہے مگر حالت یہ ہے
کہ سولہ سو روپیہ تنخواہ والوں کو بھی یہی کہتے
سنا ہے کہ ضروریاتِ زندگی پوری ہی نہیں ہوتی
اس زمانہ میں سواری کے لیے موٹریں نہ تھیں
گھوڑے کی سواری ہی بہترین سواری سمجھی جاتی
تھی۔ اس لیے اس کے بعد والخیل المسوّمۃ
فرمایا۔ پھر دودھ پینے کے لیے گائے اور بھینس
چاہیئے۔ ان کا بھی ذکر فرمایا والانعام۔ گھوڑے
اور بھینس اور گائے کے لیے چارہ چاہیئے اس
لیے کھیتی کا بھی ذکر فرما دیا۔ انسان کی تمام
محبوب چیزیں گننے کے بعد فرماتے ہیں۔ ذٰلِک

مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ یہ سب اس دنیا کا ساز و سامان ہے۔ مرنے کے بعد ان میں سے کوئی چیز کام نہ آئے گی۔ قبریں جائیں گے۔ تو پتہ چلے گا۔ کہ بیوی، بیٹے۔ کوٹھی وغیرہ سب غدار نکلے۔ کوئی بھی ساتھ نہیں آیا۔ اگر تم نے رشوت لے کر کوٹھیاں بنائیں اور اس آبادی کا نام گلبرگ رکھ لیا تو کیا ہوا۔ لوگ تو اس کو رشوت پورہ کہتے ہیں۔ تمہارے ظلم سے زمین کا ایک ایک ذرہ الامان پکار رہا ہے۔ مخلوقِ خدا تمہارے ظلم سے تنگ آ کر پکار اٹھی ہے کہ ان سے تو انگریز ہی اچھے تھے۔ کیا انگریز کے راج میں رشوت اتنی عام تھی، جتنی اب ہے۔ اب تو دفتر میں افسر کے سامنے کہتے ہیں کہ اتنے روپے دو گے تو کام ہو گا۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

تم نے انگریز کی خوبی ایک نہیں لی برائیاں سب لے لیں انگریز میں تین چیزیں تھیں:

۱۔ وہ وقت کا پابند تھا۔ اب ہمارے افسر وقت پر نہیں آتے۔ تو ماتحت کیوں آئیں۔ افسر بمنزلہ دماغ ہوتا ہے۔ اگر دماغ ہی خراب ہو جائے تو سارا جسم بیکار ہو جاتا ہے۔

۲۔ وہ اپنے قانون کا خود احترام کرتا تھا۔ اب تو نہ افسر اور نہ ماتحت قانون کا احترام کرتے ہیں۔

۳۔ وہ اپنی قوم کا ہمدرد تھا۔ وہ اگرچہ خدا پرست نہ تھا۔ قوم پرست تو تھا۔ ہمارے حاکم نہ قوم پرست ہیں اور نہ خدا پرست۔ الا ما شاء اللہ۔

انہوں نے ان میں سے ایک چیز بھی نہیں لی۔ انہوں نے انگریز سے کیا لیا۔ ڈانس کھیلنا شراب پینا۔ جوا کھیلنا۔ زنا کرنا اور سینما دیکھنا اکبر الہ آبادی خوب کہہ گئے ہیں۔ ع

خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی

نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہونگے

غرضیکہ تم برائیوں میں انگریز سے آگے بڑھ گئے ہو۔ کیا اس کے زمانہ میں بھی لاہور میں ٹبی کے علاوہ پانچ ہزار فحاشی کے اڈے تھے۔ تم کو نہ دین آتا ہے اور نہ تم نے انگریز سے سیاست ہی سیکھی۔ یاد ہوگا کہ میں نے اعلان کیا تھا کہ ایک ہفتہ اختیارات مجھے دے دو۔ عہدے تمہارے۔ تنخواہیں تم کھاؤ۔ البتہ تم کو صرف اختیارات اور کارِ سرکار کے لیے موٹر دے دو پھر دیکھو۔ ایک دن میں نظام درست کرکے دکھاتا ہوں یا نہیں۔ میں پہلے ہی دن اعلان کروں گا کہ اگر ٹبی میں کوئی بدمعاش ہے تو ایک گھنٹہ کے اندر اندر نکل جائے۔ اس کے بعد پولیس کو کہوں گا۔ کہ وہاں پکٹنگ لگا دو۔ اس کے بعد جو بدمعاش بھی وہاں آئے گا اگر شادی شدہ ہے تو وہیں سب کے سامنے

اس کو سنگسار کر دیں گے۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو سو (۱۰۰) درّے لگائیں گے۔ پھر دیکھیں گے کہ دوسرے دن کتنے عاشق آتے ہیں۔

کہتے ہیں یہ وحشیانہ سزا ہے۔ تم خدا سے بہت عقلمند ہو؟ اگر تم شاہِ لندن کے باغیوں کو سنٹرل جیل لاہور میں ابلیسیوں کو پھانسی دے دو تو منصف مزاج اور اگر ہم احکم الحاکمین کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں میں سے ایک کو سنگسار کر دیں تو وحشی۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

پاکستان کے دشمنو! نہ کھیلتے ہو اور نہ کھیلنے ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس دلدل سے نکالے۔ آمین یا الہ العالمین ط

اس کی تدبیر یہ ہے کہ شیخ کامل سے تعلق ہو۔ اگر شیخ کامل ہے اور طالب صادق ہے تو شیخ اس دلدل سے نکال لے جاتا ہے۔ میں اب بیعت کے وقت یہ تلقین کیا کرتا ہوں

کر اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر سمجھو۔ دماغ سے اس کے سوا سب نکال دو۔ نہ زمین رہے اور نہ آسمان رہے۔ نہ انسان رہے۔ نہ شیطان رہے اور دل پر اللہ ھُو کی ضربیں لگاؤ۔ جب دماغ میں بھی اللہ کے سوا کوئی نہ ہوگا زبان سے بھی اللہ ہُو کہیں گے اور دل پر بھی اسی کے نام کا اثر ہوگا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا یا نہیں؟

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ	بے شک (انسان کے) جسم کے اندر البتہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب

ہو جاتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے خبردار اور وہ دل ہے۔

دل ہے بادشاہ۔ دماغ ہے وزیر اور باقی

اعضاء اس کی فوج ہیں۔ دل حکم دیتا ہے اور
دماغ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔
اور باقی اعضا حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اسی لیے
اللہ والے ہر وقت اللہ ہو کرنے کی مشق
کراتے ہیں۔ اس سے دل ذاکر ہو جاتا ہے
حضرت دین پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ
مجھ سے فرمایا کہ بیٹا پاخانہ میں بھی جاؤ تو دل
ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔ اللہ کے نام میں
اتنی دہشت ہے کہ شیطان پاس نہیں ٹھہر سکتا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب
مؤذن اذان دیتا ہے تو شیطان اتنی دور بھاگ
جاتا ہے۔ جہاں اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں
یہ چیزیں وہباً حاصل ہوتی تھیں۔ اب ان کو
کسباً حاصل کرنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرام کو صرف و
نحو پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اب ہر
ایک کو دونوں علم پڑھنے پڑتے ہیں۔ ان کے

بغیر کتاب و سنت کی صحیح سمجھ نہیں آسکتی۔ صحابہ کرام حضورؐ کی صحبت میں پہنچے اور ان کے ہر ذرہ وجود اور ہر قطرۂ خون میں اللہ کی یاد پیوست ہو گئی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی ہیں۔ ایک دن وہ یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے۔ نافق حنظلہ نافق حنظلہ (حنظلہ منافق ہو گیا حنظلہ منافق ہو گیا) آگے سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا ہوا؟ حنظلہ نے کہا۔ کہ جب میں حضور کے پاس بیٹھتا ہوں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ سامنے ہیں لیکن جب آپ سے دور ہٹ جاتا ہوں۔ تو وہ رنگ نہیں رہتا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اندر ایمان نہیں ہے۔ صدیق اکبر نے فرمایا۔ کہ میری بھی یہی حالت ہے۔ دونوں نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ عرض کیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک ہے۔ میرے

ہاں جو حالت تمہاری ہوتی ہے۔ وہ بعد میں قائم نہیں رہ سکتی۔

یہ باتیں نہ کالجوں میں اور نہ دفتروں میں سنائی جاتی ہیں۔ یہ تو اللہ کے دروازے پر آنے ہی سے کانوں میں پڑتی ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ اولیاء اللہ کے جوتوں کے تلے کی خاک میں سے وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں نہیں ہوتے۔ نہیں ہوتے۔ نہیں ہوتے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ماسوا اللہ دل سے نکل جاتا ہے۔ سب طمع کے یار ہیں۔ بیوی طمع کی یار ہے۔ میاں طمع کا یار ہے۔ میں عورتوں سے کہا کرتا ہوں کہ خاوند اس بیوی سے خوش ہوتا ہے جو بچے بھی جن کر دے اور دھوبن کا کام بھی کرے۔ بھنگن اور باورچن بھی ہو۔ اگر بیوی سے اولاد پیدا نہ ہو تو مرد کہہ دیتے ہیں کہ خچر باندھ رکھی ہے۔ یہی حال

بیوی کا ہے۔ مرد جو کما کر لائے اس کی جھولی میں ڈال دے تو خوش۔ اگر مرد کہہ دے۔ کہ تمہارے پاس گھر کے خرچ کے لیے کافی پیسے ہیں۔ اس مہینہ میں ساری تنخواہ اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا تو پھر بیوی روٹھ جائے گی۔

آسمان پر ایک اللہ تعالیٰ بے طمع کا یار ہے ہم نے اس کو کچھ نہیں دیا۔ وہ ہمیں بے شمار نعمتیں مفت دیتا ہے۔ یا پھر زمین پر بے طمع کے یار سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ و السلام ہیں جب تک ایک بھی کلمہ گو جہنم میں ہوگا۔ اپنے مقام محمود پر چین سے تشریف فرما نہ ہوں گے ان کے بعد پھر اللہ والے بے طمع کے یار ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہر کلمہ گو ایسا بن جائے کہ اس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے۔ تمام شارحین حدیث یہ کہتے ہیں کہ ان کے حال اور چال کو دیکھا جائے تو خدا یاد آئے۔ میں ذرا اس سے آگے بڑھ کر کہتا ہوں۔ کہ لوگ ہمیں دیکھ

کہ یہ کہیں کہ فلاں شخص خدا واسطے پڑھاتا ہے لیتا کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ ان کے بیوی بچے بھی ہیں۔

دین محمدی کے حامل اور ناشر اب بھی موجود ہیں۔ مَنْ جَدَّ وَجَدَ (کوشش کرنے والوں کو مل ہی جاتے ہیں) شیخ کامل ہو اور طالب صادق ہو تو رنگ چڑھ جاتا ہے۔ طالب صادق کے لیے ضروری ہے کہ عقیدت ادب اور اطاعت میں فرق نہ آنے پائے۔ طالب کی ریاضت ایسی ہے۔ جیسے زمین پودے کی جڑوں کو اپنی چھاتی سے لگا کر رکھتی ہے اور شیخ کی توجہ ایسی ہے جیسے مالی پودوں کو پانی دیتا ہے۔ طالب کی ریاضت اور شیخ کی توجہ ہو تو یہ پودا اُگ کر بارآور ہوتا ہے۔ میں دعوای سے کہتا ہوں۔ کہ اگر دس ہزار طالب ہوں بشرطیکہ سب تربیت یافتہ ہوں۔ سب ایک جگہ بیٹھے ہوں۔ درمیان میں شیخ کامل بیٹھا ہو وہ ایک دفعہ اللہ ھُو کہے گا تو ہر

ایک کے دل پر اس کا اثر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس درجہ پر پہنچائے۔ کہ اگر لوگ ہمیں دیکھیں تو ان کو خدا یاد آ جائے۔ آمین یا الٰہ العالمین ؎ جس طرح دنیا میں بڑھنے کا شوق ہے اللہ تعالیٰ ادھر بڑھنے کا بھی شوق عنایت فرمائے۔ یہ ہو سکتا ہے بشرطیکہ شیخ کامل اور نائب صادق ہو۔ مولوی ابو محمد احمد صاحبؒ میرے خسر تھے۔ وہ حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ ان سے کچھ اللہ اللہ سیکھا تھا لیکن بعد میں چھوڑ دیا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ایک دفعہ حضرت مولانا ابو محمد احمد کو دین پور بلایا۔ ان کا بیان ہے۔ کہ رات کا وقت تھا۔ میں جب نہر کے پاس پہنچا جو دین پور شریف سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ہے تو سب لطائف کھل گئے۔ اپنے اندر باطن کی استعداد ہو تو کامل کی موجودگی سے فائدہ ہوتا ہے۔ مگر جو خود ہی اندھا ہے۔ اس

کے لیے سورج کی روشنی بے معنی ہے۔ اسی طرح حضرت تھانویؒ اور مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی ایک دفعہ مولانا سندھی کے ہمراہ دین پور تشریف لے گئے تھے۔ حضرت تھانویؒ جب اسٹیشن خان پور پر اترے۔ جو دین پور شریف سے تقریباً پونے دو میل ہے۔ تو ادھر ادھر دیکھیں خوشبو آئے مگر کچھ نظر نہ آئے۔ حضرت دین پوریؒ سڑک پر ان کے استقبال کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ حضرت تھانویؒ گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت دین پوریؒ کو دیکھ کر فرمایا۔ ارے عبیداللہ! تم نے مجھے مار ڈالا۔ پہلے کیوں نہ بتلایا کہ میں پیدل چل پڑتا۔

باطن کی بینائی ہو تو پتہ چلتا ہے کہ کوٹھی میں جو اینٹیں لگی ہیں وہ حلال کی ہیں یا حرام کی۔ بہت ساری چیزیں بظاہر حلال اور اندر میں حرام ہوتی ہیں۔ لاہور کا گوشت اور دودھ اکثر

حرام کا ہوتا ہے۔ بعض قصائی ایک دوسرے کے جانور چرا لیتے ہیں۔ اس لیے ان کا گوشت حقیقت میں حلال نہیں ہوتا۔ گوجروں کے ہاں گائے اور بھینس کے بچے بلک بلک کر مر جاتے ہیں۔ اس طرح بچوں پر ظلم کر کے حاصل شدہ دودھ حقیقت میں حلال نہیں ہوتا۔ لاہور میں بعض اوقات نمک بھی حرام کا ہوتا ہے۔ بعض آوارہ مزاج بچے بیل گاڑیوں سے نمک کے ڈلے اٹھا کر سستے داموں دکان دار کے ہاں بیچ جاتے ہیں۔ یہ نمک حرام ہے۔ کیا ہمارے حکام اور وزراء کو حلال حرام کی تمیز ہے اگر ہوتی تو پارٹیاں کیوں کھاتے؟ سکھانے والا بھی کامل ہو اور سیکھنے والا بھی طالب صادق ہو تو اللہ کے نام سے حلال حرام کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ حرام بھی نہ چھوڑیں اور پھر یہ چاہیں کہ ادھر کا رنگ بھی چڑھ جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
این خیال است و محال است و جنوں

حرام کھانے سے اول تو عبادت کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اگر عبادت کرے گا بھی تو قبول نہ ہوگی۔ کچھ دن ہوئے ایک عورت میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو سریع التاثیر وظیفہ پڑھنے کے لیے بتلایا۔ لیکن لاہور کا دودھ گوشت اور گھی چھڑوا دیا۔ اس نے چار دن ہی پڑھا تھا کہ کام حسب منشا ہو گیا۔ آپ حرام کھاتے ہیں۔ اس لیے حلال و حرام کی تمیز نہیں ہوتی۔ انسان یا خود باطن کے لحاظ سے بینا ہو یا بینا کے ہاتھ میں لاٹھی دے دے۔ جو کھائے اس سے پوچھ کر کھائے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو خیار عباد اللہ الذین اذا رأوا ذکر اللہ کی لائن پر چلائے۔ آمین یا اللہ العالمین۔ یہ ابد الآباد تک کام آنے والی چیز ہے۔

۲۰ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۷ر ستمبر ۱۹۵۶ء

اصلاحِ حال

میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ مجلس ان احباب کے لیے منعقد کی جاتی ہے ۔ جو حلقۂ بیعت میں شامل ہیں ۔ ان کی روحانی تربیت میرے ذمہ فرض ہے ۔ اس لیے ان کی رہنمائی کے لیے کچھ نہ کچھ عرض کر دیا کرتا ہوں ۔ تاکہ قیامت کے دن اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں کہ جن کو میں نے تیرے دامن سے وابستہ کیا تھا تو نے ان کو کیا سکھلایا تھا تو میں عرض کر سکوں کہ اے اللہ! مجلسِ ذکر ملاحظہ فرما لیجئے ۔ منبر پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ساری امت کو پیشِ نظر رکھ کر کچھ عرض کرتا ہوں اور اس مجلس میں صرف حلقۂ بیعت والوں کو ۔ دوسرے احباب بھی آتے ہیں ۔

"چشم ما روشن دل ما شاد"
میری آج کی تقریر کا عنوان ہے۔
"اصلاحِ حال"

بیعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اصلاح ہو جائے۔ اگر یہاں نہ ہوئی۔ تو قبر میں کرنی پڑے گی۔ اگر وہاں بھی نہ ہوئی تو خطرہ ہے کہ دوزخ میں کرنی پڑے گی اصلاح دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱۔ اصلاحِ حال ۲۔ اصلاحِ قال

اکثریت دونوں سے محروم ہے۔ نہ ان کی اصلاحِ حال ہوتی ہے اور نہ اصلاحِ قال۔ ان کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ اس میں دیہاتی اور شہری ان پڑھ شامل ہیں۔ اگر کوئی تعلیم یافتہ شہری دیہات میں چلا جائے تو اس کی طبیعت مکدر ہو جائے گی۔ اکثر دیہاتیوں کا تکیہ کلام ہی گالی ہوتا ہے۔ وہ پہلے گالی دیتے ہیں اور پھر بات کرتے ہیں۔ ان کی اصلاحِ قال بھی نہیں،

ہوتی۔ میرا بڑا لڑکا مولوی حافظ حبیب اللہ آج کل مدینہ منورہ میں ہے۔ وہ سات ماہ مدینہ منورہ اور تقریباً پانچ ماہ مکہ معظمہ میں رہتا ہے۔ وہ ابھی دیوبند میں پڑھ رہا تھا اور ۱۲ سال کا ہی تھا کہ اس کے لیے بعض رشتے آنے لگے۔ دیہات سے بھی آئے۔ اس نے اس لیے انکار کر دیا کہ دیہاتی لڑکیوں کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی۔ اکثر دیہاتی وہ مغلظ گالیاں بکتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ماں بہن کی گالیاں بلا تکلف دیتے ہیں۔

اب تعلیم یافتہ کی طرف آیئے۔ ان کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ طرزِ قدیم کے تعلیم یافتہ۔ یہ ہمارے مدارس عربیہ کے علمائے کرام ہیں۔

۲۔ طرزِ جدید کے تعلیم یافتہ: یہ بی اے اور ایم اے ہیں۔ (یہ دونوں تعلیم یافتہ طبقہ ہے)

ان دونوں کی اصلاحِ حال تو کچھ ہو جاتی ہے۔ مگر اصلاحِ حال ان کی بھی نہیں ہوتی۔ اگر ان نے

کوئی ملنے آئے تو بڑے مہذب انداز سے باتیں کریں گے۔ مزاج شریف۔ تشریف لائیے آپ کیا نوش فرمائیں گے۔ بوتل یا چائے۔ یہ اصلاحِ قال ہے۔ لیکن اصلاحِ حال یہ ہے کہ یہ بھی کورے وہ بھی کورے۔ عوام کا وہ درجہ ہے اور خواص کا یہ درجہ ہے۔ قال اور چیز ہے اور حال اور چیز ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے : ؎

آدمیت اور شئے ہے، آدمی ہے اور شئے
ایک طوطے کو پڑھایا پھر بھی حیوان ہی رہا

اس کے بعد اب میں اصلاحِ حال کے درجے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے تین درجے ہیں :

۱۔ ادنیٰ ۲۔ متوسط ۳۔ اعلیٰ

ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو عبادت اور مخلوقِ خدا کو بخدمت راضی کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا آسان ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے :۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ — گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

ایک دفعہ صدق دل سے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ کہا اور سب گناہ معاف ہو گئے۔ زبان سے بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ندامت اور پشیمانی ہی کافی ہے۔ اس لئے حضور فرماتے ہیں:۔

اَلنَّدَامَۃُ تَوْبَۃٌ — ندامت توبہ ہے۔

توبہ کی قبولیت کے لیے تین شرطیں ہیں:

۱۔ گناہ کرنے کے بعد دل میں ندامت پیدا ہو جائے۔

۲۔ آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزمِ مصمّم کرے

۳۔ اس گناہ سے فوراً دست بردار ہو جائے۔

یہ تین شرطیں ہوں تو زبان سے بھی توبہ کا لفظ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑے سے

بڑا گناہ بھی معاف فرما دیتے ہیں۔ لیکن مخلوقِ خدا کو راضی کرنا بہت مشکل ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اگر ہم برادری کو اپنی ران کے کباب بھی بنا کر کھلائیں گے تو بھی راضی نہ ہوں گے کوئی کہے گا۔ نمک زیادہ تھا۔ کوئی مرچوں کی شکایت کرے گا۔ ان سے پوچھو کہ اگر اللہ تعالیٰ جنت میں بھجوا دے۔ تو کسی کو نہ جانے دیتے۔ یہ تو پوچھتے ہی رہیں گے کہ اے اللہ! تو نے فلاں شخص کو کیوں جنت میں بھجوا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ تجھے پتہ ہے۔ یہ بےقصور ہے۔ برادری کو راضی کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان سے اپنا حق مانگیئے نہ اور ان کا حق رکھیئے نہ۔ اس طرح کرنے سے انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ حضورؐ فرماتے ہیں :-

لیس الواصل بالمکافی و لکن الذی اذا قطعت رحمہ وصلھا۔ اس ارشادِ نبوی کے ماتحت یہ صلہ رحمی نہیں کہ جو ہمیں بلائے گا ہم اس کو

بلائیں گے۔ برادری کو راضی کرنا اتنا ہی مشکل ہے۔ جتنا کہ ایک بگڑے ہوئے بچہ کو راضی کرنا مشکل ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے۔ کہ ایک بادشاہ نے اپنے وزیراعظم کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ دربار میں بادشاہ کے آنے سے پہلے موجود ہوا کرے۔ ایک دن وزیراعظم دیر سے آئے۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی۔ تو وزیر اعظم نے عرض کی کہ بچہ کو بہلانے میں دیر ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ وزیر اعظم نے کہا کہ اچھا! میں بچہ بنتا ہوں۔ آپ مجھے راضی کر کے دکھلائیں وزیر اعظم بچہ بن کر رونے لگا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا چاہیئے تو اس نے کہا۔ لوٹا چاہیئے لوٹا آ گیا لیکن رونا جاری رہا۔ دوبارہ پوچھا تو ہاتھی مانگا۔ ہاتھی بھی آ گیا۔ لیکن رونا پھر بھی بند نہ ہوا۔ جب پھر پوچھا گیا کہ اب کیا چاہیئے تو کہنے لگا کہ ہاتھی کو لوٹے کے اندر

ڈال دو۔ بادشاہ ہار گیا اور وزیر اعظم جیت گیا
بچے کو راضی کرنا کتنا مشکل ہے۔ چہ جائیکہ بڑے
کو۔ وہ تو اور بھی مشکل ہے۔ پیغمبر سے بڑھ
کر نیک کوئی نہیں ہو سکتا۔ ایک لاکھ چوبیس
ہزار انبیاء علیہم السلام میں سے ایک بھی ایسا
نہیں کہ جس کو اس کی برادری نے نہ ستایا
ہو۔ سید الانبیاء کو ستاتے ہیں۔ کوئی شاعر،
کوئی جادوگر، کوئی پاگل کہتا ہے۔

یہ ادنیٰ درجہ ہے کہ خالق کو بعبادت اور
مخلوق کو بخدمت راضی کیا جائے۔ اگر اللہ اللہ
کرنے والی جماعت میں شامل ہونے کے بعد
یہ بھی نہ ہوا تو سمجھئے کہ فیل ہیں گویا میٹرک تو
درکنار۔ مڈل اور پرائمری بھی پاس نہ کر سکے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

اَلْاِثْمُ مَا حَاکَ فِی النَّفْسِ ؎ گناہ وہ ہے جو نفس کو چھبے۔

بلا ہادی کے بھی سمجھ میں آتا ہے۔ کہ یہ

گناہ ہے۔ یہ تو حضورؐ کا ارشاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ملاحظہ ہو۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (سورۃ الشمس پ۳۰) پھر اس کو اس کی نیکی اور بدی سمجھائی۔

انگریز نے پنجاب میں سانسی قوم کو جرائم پیشہ قرار دیا تھا۔ ان کے ہاں نہ کوئی نبی آیا اور نہ کوئی آسمانی کتاب۔ لیکن وہ بھی جب چوری کرنے کے لیے جاتے تھے۔ تو رات کو جاتے تھے۔ چوری کو برا سمجھتے تھے تو رات کو کرتے تھے۔

ہم دس ہزار مرتبہ اَللّٰہ ھو بھی کریں۔ نماز باجماعت پڑھیں۔ حج ہر سال کریں۔ زکوٰۃ پائی پائی گن کر دیں۔ لیکن اگر رشتہ داروں سے سلوک اچھا نہیں تو ان سب نیکیوں کا فائدہ بعد میں ہوگا۔ پہلے قطع رحمی کے جرم میں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جس طالب علم نے نہ پرائمری پاس کی ہو۔ نہ مڈل۔ وہ اگر میٹرک

کے سوال نکالنے بیٹھ جائے تو ہر شخص اس کی حماقت پر ہنسنے لگے گا۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ اگر اصلاحِ حال ادنیٰ درجہ کی بھی نہیں ہوئی تو پھر سب کچھ بیکار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پل صراط میں ایسے کنڈے ہیں جو رشتہ داروں سے صلہ رحمی نہ کرنے والوں کو کھینچ کر جہنم میں پھینک دیں گے۔ سب کچھ کر لیجئے۔ سب کچھ سیکھ لیجئے۔ اگر رشتہ داروں سے سلوک اچھا نہیں تو ایک دفعہ تو جہنم میں جانا ہی پڑے گا۔ سمجھانا میرا فرض ہے۔ عمل میں لانا آپ کا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو پہلا درجہ اصلاحِ حال کا نصیب فرمائے

آمین یا الٰہ العالمین ؂

درمیانہ درجہ یہ ہے کہ کامل کو دیکھ کر ہی خدا یاد آئے۔ اگر اپنی آنکھوں میں بینائی ہے۔ اور سورج کا خارجی نور تائید کرے تو سب کچھ نظر آتا ہے۔ لیکن اندھے کے لیے سورج کا

ہونا یا نہ ہونا برابر ہے کیوں کہ اس کی اپنی آنکھوں میں بینائی نہیں - یہ درجہ بھی ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا - لوہا آگ میں ڈالا جائے تو کچھ دیر بعد وہ آگ ہی ہو جاتا ہے - پھر اس کی گرمی کو ہر جان دار محسوس کرتا ہے - اسی طرح اپنا نورِ فطرۃ سلامت ہو تو کامل کو دیکھ کر خدا یاد آئے گا -

خِیَارُ عِبَادَ اللّٰہِ اَلَّذِیْنَ اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ (الحدیث)

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے وہ ہیں جب ان کو دیکھا جائے تو خدا یاد آئے -

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو یہ درجہ بھی نصیب فرمائے - آمین یا الہ العالمین - یہ درجہ بھی ہر شخص کو نصیب نہیں - تاثیر اور تاثّر دو لفظ ہیں تاثیر کے معنی ہیں اثر کرنا اور تاثر کے معنی ہیں اثر لینا - اپنے اندر دوسروں کو متاثر کرنے کی طاقت نہیں نہ سہی - اگر کامل کو دیکھ کر اس سے اثر لیتا ہے تو یہ بھی ایک درجہ ہے اصلاحِ حال

کا۔ جیسے بجلی کی کرنٹ جب آتی ہے اگر بلب ٹھیک ہو تو وہ فوراً اس کو اخذ کر لیتا ہے۔ اگر یہ درجہ بھی نصیب نہیں تو سمجھئے کہ ابھی نیچے درجہ میں ہی ہیں۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ باطن میں ایسا جلا پیدا ہو جائے کہ دیکھنے والے اس سے متاثر ہوں۔ اس کی صحبت میں ان کے اندر نورِ باطن ہو میں کہا کرتا ہوں کہ اگر دس ہزار طالب بیٹھے ہوں۔ بشرطیکہ کچھ تربیت یافتہ بھی ہوں۔ اور ان کے درمیان کامل تشریف فرما ہو۔ اگر کامل ایک دفعہ اللہ ھُو کہے گا تو سب کے دلوں پر اس کا اثر ہوگا۔ یہ اونچا درجہ ہے۔ اللہ ہُو کے پاک نام کی برکت سے یہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔

تیسرے درجے کے بعد پھر غیر متناہی درجے ہیں۔ ان کی تفصیل میں میں جانا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ یہ وجدانی چیزیں ہیں۔ اسی لیے میں

کہا کرتا ہوں۔

فَوْقَ کُلِّ وَلِیٍّ وَلِیٌّ	ہر ولی کے اوپر ایک ولی ہے
فَوْقَ کُلِّ وَلِیٍّ وَلِیٌّ	ہر ولی کے اوپر ایک ولی ہے
لَا نِہَایَتَ لِمَدَارِجِ الْاَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ	اولیاء کرام کے مدارج کی کوئی انتہا نہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو تینوں درجوں کی اصلاح نصیب فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

---

۲۷ صفر المظفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء

ہادی کے آنے کے بعد انسانوں کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں

میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ یہ خصوصی اجتماع ان احباب کے لیے ہوتا ہے۔ جن کی خبرگیری اور تربیت اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار کے ذمہ ڈال دی ہے۔ اس اجتماع کا مقصد

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اور آپ سے راضی ہو جائے۔ اور ہم امراض روحانی سے شفایاب ہو کر دنیا سے جائیں۔ اگر یہاں امراض روحانی سے شفا نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان امراض کے علاج کے لیے ایک ہی ہسپتال ہے اس کا نام دوزخ ہے۔ لاہور کے میو ہسپتال کی طرح اس میں مختلف وارڈ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو دنیا سے ان امراض سے شفایاب ہو کر جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو اس کا شوق ہوتا ہے۔ کہ ان کو ان امراض سے شفا نصیب ہو جائے۔ ہر ایک کو یہ شوق نصیب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو یہ شوق نصیب فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین ط

مسلمانوں کی اکثریت بلکہ ۹۹ فیصدی مسلمان امراض روحانی میں مبتلا ہیں۔ ایک فیصدی بمشکل شفایاب ہوگی۔ عام طور پر پاکیزگی کے لیے دو لفظ استعمال کیے جاتے ہیں :

۱۔ طہارت ۲۔ تزکیہ ۔

طہارت ظاہر کی پاکیزگی کو کہتے ہیں اور تزکیہ باطن کی پاکیزگی کا نام ہے ۔ امراضِ روحانی کی سمجھ بھی ہر ایک کو نہیں ہوتی ۔ عوام کو تو جانے دیجئے ۔ تعلیم یافتہ کی اکثریت کو بھی ان کا پتہ نہیں ۔ تعلیم دو قسم کی ہے ۔

۱۔ تعلیم قدیم : یہ مدارس عربیہ میں دی جاتی ہے اس کے فارغ التحصیل علمائے کرام ہیں ۔

۲۔ تعلیم جدید : یہ سکولوں اور کالجوں میں دی جاتی ہے ۔ اس کے فارغ التحصیل بی ، اے اور ایم اے ہیں ۔

بی اے اور ایم اے تو امراضِ روحانی سے روشناس بھی نہیں ہوتے ۔ ان کو تو ان کی سمجھ ہی نہیں ۔ علمائے کرام امراض روحانی سے تعلیم حاصل کرنے کے وقت اس طرح عبور کر جاتے ہیں کہ جیسے مسافر لاہور سے خیبر میل میں سوار ہو کر راتوں رات دریائے راوی ، چناب اور جہلم

عبور کر جاتے ہیں اور صبح راولپنڈی میں پہنچ جاتے
ہیں۔ پتہ ہی نہیں لگتا کہ کب دریا آیا۔ تعلیم جدید
میں پرائمری سے ایم۔ اے تک امراض روحانی
کا نام بھی نہیں آتا۔ مدارس عربیہ میں کان روشناس
ہو جاتے ہیں مگر دل آشنا نہیں ہوتا۔ میں دونوں
کو جانتا ہوں۔ ۴۰ سال سے لاہور میں اور اس
سے قبل دہلی میں میرا دونوں سے تعلق رہا ہے
انگریز مجھے دہلی سے لاہور حضرت مولانا عبیداللہ
سندھی کے متعلقہ مقدمۂ سازش میں ہتھکڑی لگا کر
لایا تھا۔ اس کا شاید خیال ہوگا۔ کہ یہ لاہور کی
گلیوں میں بےکار پھر کر مر جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ
نے مجھے محض اپنے فضل سے قرآن مجید کی
اشاعت کی توفیق عطا فرمائی۔ بالخصوص قریباً ہر
سال دورۂ تفسیر کی توفیق عطا فرمائی۔ جو علماء
کرام کے لیے مخصوص ہے۔ والحمد للہ
علیٰ ذلک ط انگریز سمجھتا تھا کہ اگر اسلام زندہ ہو
گیا تو میری موت ہے۔ وہ چاہتا تھا مسلمانوں

کی تہذیب میری تہذیب ہو۔ وہ بظاہر کالے ہوں
مگر اندر میں میرے ہم نوا ہوں۔

مجھ سے اللہ تعالےٰ طلبائے علومِ دینیہ کی
بھی ۴۴ سال سے خدمت لے رہا ہے۔ ان
میں بھی روپے کا لالچ بی اے اور ایم اے
کی طرح ہوتا ہے۔ حالانکہ مندرجہ ذیل آیات پر
ان کا بارہا عبور ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ	اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ
يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا	اس کے لیے نجات کی صورت
وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ	نکال دیتا ہے اور اسے رزق
لَا يَحْتَسِبُ	دیتا ہے جہاں سے اسے
(سورۃ الطلاق اع پ ۲۸)	گمان بھی نہ ہو۔
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى	اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے
اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ	سو وہی اس کو کافی ہے۔

(سورۃ الطلاق اع پ ۲۸)

ایک دفعہ مزنگ کے ایک دوست نے مجھ
سے ایک عالم کے لیے کہا۔ میں نے علمار کلاس

کے ایک فارغ التحصیل مولوی صاحب کو بھیجا۔ یہ ہمارے ایم اے ہیں۔ تنخواہ مقرر ہو چکی تھی۔ دو وقت کے کھانے کا انتظام ہو چکا تھا مولوی صاحب کی لاہور سے باہر ضرورت تھی۔ وہ ان کو وہاں چھوڑ کر واپس آنے لگے تو اپنی جیب سے مبلغ پانچ روپے ناشتہ کے لیے دے کر مسجد سے باہر نکل آئے تو مولوی صاحب دوڑتے ہوئے آئے کہ جب یہ ختم ہو جائیں گے تو پھر کہاں سے لوں۔ حالانکہ سب کچھ پڑھ کر آئے ہیں۔ جو اللہ کے نام پر کام کرتے ہیں۔ وہ ان کی غیبی امداد فرماتے ہیں۔ ان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کب آئے گا۔ کہاں سے آئے گا۔ کس کے ذریعہ آئے گا۔ رات کو آئے گا یا دن کو۔ کوئی مصافحہ کرکے ہاتھ میں دے جائے گا۔ یا لفافہ میں بند کرکے ہاتھ میں دے دے گا۔ ان کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کہاں سے بھیجیں گے۔ ھ

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

اللہ تعالیٰ اگر اپنے دشمن (کافروں) کو بھوکا نہیں رہنے دیتا تو وہ اپنے دین کا کام کرنے والوں کو کب محروم کر سکتا ہے۔ علمائے کرام بھی انگریزی دانوں کی طرح علم کی قیمت مانگتے ہیں۔ دونوں کی حرص پوری نہیں ہوتی۔ دونوں اور اور کی رٹ لگاتے ہیں۔ انگریز جانتا تھا کہ قرآن میں کیا ہے۔ وہ اگر اسلام کو زندہ کرتا تو اس کا کہاں ٹھکانا تھا۔ یہ مجلس تزکیۂ باطن کے لیے ہوتی ہے۔ اس دنیا میں امراض روحانی کے علاج کے لئے مساجد ہیں قرآن نسخہ جات روحانی کا مجموعہ ہے۔ اور ہادی معالج روحانی ہوتے ہیں۔ یہ صوفیائے عظام ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ امراض روحانی کے سمجھنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔ تربیت کے بغیر علمائے کرام میں بھی حسد، کبر اور عجب الا ماشاء اللہ اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح بی اے اور ایم اے میں ہوتا

ہے۔ وہ بھی دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کسی اللہ والے نے کہا ہے:

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

میں کہا کرتا ہوں کہ بعض اللہ والے ایسے ہوتے ہیں کہ لاہوری ان کے منہ پر تھوکنا بھی گوارا نہ کریں۔ مگر ان کے جوتوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی اتنی رحمت نازل ہوتی ہے۔ جتنی دنیا دار کی ٹوپی اور ہیٹ پر نہیں ہوتی۔ اس قسم کے اللہ والے پبلک پلیٹ فارم پر کام کرنے والے نہیں ہوتے لاہور میں پانچ ہزار کے قریب بدمعاشی کے اڈے ہیں اور یہ محتاط رپورٹ ہے۔ یہ غضب الٰہی کو دعوت دینے والے کام ہیں۔ اگر اس قسم کے اللہ کے بندے نہ ہوتے تو لاہور کبھی کا پہلے غرق ہو جاتا۔ اولیاء کرام کی بے شمار قسمیں ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم اللہ کی رحمت کو کشش کرنے والوں کی ہے۔ امراض روحانی

جسمانی بیماریوں کی طرح بے شمار ہیں۔ ان میں حسد،
کبر، عُجب چند موٹے موٹے امراض روحانی ہیں۔
حسد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص کو
فلاں نعمت کیوں دی اس سے چھن جائے اور
مجھے مل جائے۔ کبر کے متعلق حضورؐ کا اپنا ارشاد
ہے۔ بطر الحق و غمط الناس (حق کا انکار کرنا اور
دوسرے لوگوں کو ذلیل جاننا) عجب یہ ہے کہ کام تو
اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو جائے۔ اور انسان
اسے اپنی قابلیت اور محنت کا نتیجہ سمجھے۔ خدا
پرستوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ ہر کام میں کامیابی
کو اللہ کا فضل سمجھتے ہیں۔ اپنی محنت اور قابلیت
کا نتیجہ نہیں خیال کرتے ہیں۔ ہر کام میں بیسیوں
واسطے ہوتے ہیں۔ مگر خدا پرست سب کو نظر انداز کر دیتے ہیں مثلاً کسی
کے لڑکے پر قتل کا مقدمہ بن گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے لڑکا
بری ہو گیا۔ اگر دین دار ہے تو یہی کہے گا کہ اے اللہ! کیس تو
بڑا سخت بنا تھا مگر تیرے فضل سے بری ہو گیا۔ اس کے مقابلہ
میں ایک دنیادار یہ کہے گا کہ کیس تو بڑا سخت تھا۔ مگر ہم نے

لائل پور اور لاہور ایک کر دیا۔ صبح لائلپور تو شام کو لاہور گزارتے تھے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ وکیل کئے پیسہ پانی کی طرح بہایا۔ تب جاکر لڑکا بری ہوا خدا کا کہیں نام نہیں آئے گا۔ حالاں کہ روپیہ صحت۔ دماغ میں عقل سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے۔ اگر غریب ہوتے تو کہاں سے خرچ کرتے اگر بیمار ہوتے تو کیا کر سکتے۔ ہادی مطلع نہ کرے تو امراضِ روحانی کا علم بھی نہیں ہوتا۔

حضرت آدم کے دو صاحب زادے تھے۔ قابیل اور ہابیل۔ قابیل حاسد اور ہابیل محسود ہے۔ دونوں نے اللہ کے حکم سے قربانی کی۔ ہابیل کی قبول ہو گئی اور قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ اس پر قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ وہ ہابیل سے کہتا ہے کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ	آپ اہلِ کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا
فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ
الْآخَرِ ۖ قَالَ
لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا
يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ
الْمُتَّقِينَ لَئِنْ بَسَطْتَ
إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي
مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ
إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي
أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ
الْعَالَمِينَ إِنِّي أُرِيدُ
أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَ
إِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ
أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَ
ذَٰلِكَ جَزَاؤُا الظَّالِمِينَ ۝

(سورۃ المائدہ ع ۵ پ ۶)

سنا دیں۔ جب ان دونوں نے
قربانی کی۔ ان میں سے ایک
کی قربانی قبول ہو گئی ۔ اور
دوسرے کی نہ ہوئی۔ اس نے
کہا کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔
اس نے جواب دیا ۔ اللہ تعالیٰ
پرہیزگاروں سے ہی قبول کرتا
ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے
کے لیے ہاتھ بڑھاوے گا۔ تو
میں تجھے قتل کرنے کے لیے
ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ میں اللہ
رب العالمین سے ڈرتا ہوں ۔
میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا
گناہ تو ہی سمیٹ لے ۔ اور
دوزخی بن جائے ۔ اور ظالموں
کی یہی سزا ہے ۔

قابیل مرضِ حسد کا مریض تھا۔ قبول کرنے یا نہ کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور قتل بھائی کو کرتا ہے۔

قارون مرض عجب کا مریض ہے۔ اللہ والے اس کو سمجھاتے ہیں۔

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝	جب اس (قارون) سے اس کی قوم نے کہا اترا مت۔ بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور اپنا حصہ دنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر۔ جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(سورۃ القصص ۸ع پ۲۰)

اس سارے وعظ کا وہ جواب دیتا ہے :

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ۔ کہا۔ یہ تو مجھے ایک ہنر سے ملا ہے ۔ جو میرے پاس ہے۔

قارون فرعون کا ٹھیکیدار تھا۔ اس نے حلال حرام سب اکٹھا کر رکھا تھا۔ جب اس کے خلاف اللہ کا غضب بھڑکا تو اس کو اور اس کی ساری دولت کو زمین میں دھنسا دیا۔ "تاکہ یہ خبیث مال کسی کے پیٹ میں ہی جانے نہ پائے ۔ اس کے متعلق اسی رکوع میں آگے چل کر فرماتے ہیں

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ط (الآیۃ) پھر ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو امراضِ روحانی سے پاک کر کے دنیا سے اٹھائے ۔ آمین یا الٰہ العالمین ط

قرآن اسلام کا منبع ہے ۔ احادیث اس کی شرح ہیں۔ حضورؐ نے دونوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے :۔

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ۔	میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے (یہ دو چیزیں ہیں)

اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) اور حضورؐ کی سنت (حدیث)

یہ تمہید ہی تھی۔ غرض مجھے کچھ اور کرنا ہے تمہید ہی میں زیادہ وقت لگ گیا۔ انسان کو اصلاحِ باطن کی ضرورت ہے۔ ہادی اصلاحِ باطن کرتا ہے۔ مگر ہر شخص اپنی خداداد استعداد کے مطابق فائدہ حاصل کرتا ہے۔ جیسے مالی محنت کرتا ہے۔ اگر زمین قابلِ کاشت ہو تو کہیں چنبیلی، کہیں گلاب اور کہیں موتیا نظر آتا ہے حضورؐ کا ارشاد ہے:

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُهَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ	ہر بچہ فطرۃ (سلیمہ) پر پیدا کیا جاتا ہے پھر ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

فطرۃ سلیمہ سے مراد ہے قبولیت حق کی استعداد۔ بعض انسان یہاں آ کر مسخ ہو جاتے ہیں۔ ان کا ذکر سورۃ البقرہ کے پہلے رکوع میں آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ہ

بے شک جو لوگ انکار کر چکے ہیں برابر ہے انہیں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پہ پردہ ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

یہ ماں کے پیٹ سے تو فطرۃ سلیمہ لے کر آئے ہیں۔ مگر یہاں آ کر نور فطرۃ کھو بیٹھے جیسے بعض بچے ماں کے پیٹ سے تو بینا پیدا ہوتے ہیں مگر بعد میں چیچک کے دانے آنکھوں میں نکل آئے۔ اور اندھے ہو گئے۔ دوسری جگہ

ان کا ذکر یوں فرماتے ہیں

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ہاں جس نے کوئی گناہ کیا اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا سو وہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس کے متعلق حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ انسان جب نیک کام کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سفید نقطہ پڑ جاتا ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر توبہ کے پانی سے اس کو دھو ڈالو تو صاف ہو گیا۔ اسی لیے حضورؐ فرماتے ہیں۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ اگر توبہ کی توفیق نہ ہوئی تو آہستہ آہستہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ لوہا زمین میں دفن کر دیا جائے تو آہستہ آہستہ سارا زنگ آلود ہو جاتا ہے پھر وہ لوہا نہیں رہتا۔ بلکہ مٹی ہو جاتا ہے اس

قسم کے ممسوخ الفطرۃ لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی اپنے دروازے سے ہٹا دیتے ہیں۔ ان کے دلوں کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ تھیلی پر مہر لگا دی جائے تو اندر کی چیز باہر نہیں آ سکتی۔ اور باہر کی اندر نہیں جا سکتی۔ اس کے بعد وہ نہ حق کی آواز سن سکتے ہیں۔ نہ حق کی بات سمجھ سکتے ہیں۔ یہ ایک قسم ہے انسانوں کی مسخ ہو جانے کے بعد ہادی بھی ان کو راہ راست پر نہیں لا سکتا۔

دوسری قسم کے انسانوں کا ذکر اس آیت میں فرماتے ہیں:۔

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا	اے رب ہمارے ہم نے ایک
یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ	پکارنے والے سے سنا جو ایمان
اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا	لانے کو پکارتا تھا کہ اپنے رب
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا	پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے
وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا	آئے اے رب ہمارے اب
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ	ہمارے گناہ بخش دے اور ہم

(رکوع ۱۲ پارہ ۱۴ سورۃ النساء) سے ہماری برائیاں دور کر دے۔
اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔

یہ فطرۃ سلیمہ والے ہیں۔ یہ اب ایمان لائے ہیں۔ پہلے تو گناہوں میں مبتلا تھے۔ اس لیے ایمان لانے کے بعد گناہوں کی معافی کی بھی درخواست کر رہے ہیں۔ زندگی میں ان کی یہ حالت ہے مرنے کے متعلق ان کی خواہش ہے کہ ان کی موت نیکوں کے ساتھ آئے۔ پہلی قسم بالکل بگڑے ہوئے انسانوں کی تھی۔ دوسری قسم کے انسان بالکل ٹھیک ہیں۔ تیسری قسم بین بین ہے وہ نہ بالکل بگڑے ہوئے اور نہ بالکل ٹھیک ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے قرآن کی صحبت میں آ گئے تو وہ دوسری قسم میں شامل ہو جاتے ہیں میں درس میں کہا کرتا ہوں۔ کہ قرآن میں انقلابی طاقت ہے۔ اصل ہادی تو قرآن ہی ہے۔ پہلے کفر کی رسموں پر اڑتے اور لڑتے تھے۔ آہستہ آہستہ قرآن نے کایا پلٹ

دی۔ اب خلافِ شرع رسمیں کرنے والوں سے لڑتے ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے (لاہور میں) آ کر میں نے جتنے انسانوں کا شکار کھیلا ہے اور کسی نے نہیں کھیلا۔ پہلے یا ٹھیٹھ بدعتی تھے یا مسجد چینیاں والی میں اہل حدیث تھے۔ اکثریت بدعتیوں کی تھی۔ اہل حدیث اقلیت میں تھے۔ جمعۃ الوداع میں جتنا مجمع ہوتا ہے۔ یہ سب بدعتیوں سے نکل کر آئے ہوئے ہیں۔ میں کھری کھری باتیں کہتا ہوں۔ عام مسلمان تو سمجھ جاتے ہیں کہ بات ٹھیک کہتا ہے۔ ائمہ مساجد کہتے ہیں کہ ختم درود کا مخالف ہے۔ میں ختم درود کا قائل ہوں۔ بشرطیکہ مال حلال کا ہو۔ نیت میں اخلاص ہو اور مستحقین کو کھلایا جائے۔ میں حرام کے ختم کا مخالف ہوں اکثر ختم حرام کے مال سے ہوتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ بے شک جو لوگ یتیموں کا مال

اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا — ناحق کھاتے ہیں - وہ اپنے پیٹ
اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ — آگ سے بھرتے ہیں - اور
بُطُوْنِھِمْ نَارًا ط وَ — عنقریب آگ میں داخل
سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ہ — ہوں گے - (سورۃ النساء ع ۱ پ۴)

ہادی جب آتا ہے تو لوگ تین قسم کے ہو جاتے ہیں :-

۱- بگڑے ہوئے ۲- سلیم الفطرت

۳- بین بین -

تیسری قسم کے لوگوں کو قرآن کی برکت سے ہدایت ہو جاتی ہے - مولانا عبداللہ صاحب لناری میرے دوست ہیں - آج کل وہ سانگھڑ میں رہتے ہیں - اب تو وہ بہت بوڑھے ہیں - کچھ دن ہوئے وہ یہاں بھی تشریف لائے تھے - انہوں نے مجھے ایک واقعہ سنایا کہ عرصہ ہوا - ایک عمر رسیدہ شخص ان کے پاس پڑھنے کے لیے آیا - انہوں نے جب اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتلایا کہ ایک دفعہ وہ سر پر کلام اللہ اٹھائے

جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک جنگل میں اس کو ایک گڈریا ملا۔ جس نے اس سے پوچھا۔ کہ تمہارے سر پر کیا ہے۔ جب اس نے بتلایا کہ کلام اللہ ہے تو اس نے کہا کہ مجھے پڑھ کر سناؤ اس شخص نے جواب دیا کہ جب پانی ملے گا۔ تو وضو کرکے سنا سکتا ہوں۔ گڈریا نے اپنے مویشی وہیں چھوڑ دئیے اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب پانی ملا تو اس نے وضو کرکے اس کو قرآن مجید سنایا۔ گڈریا نے پھر اس سے پوچھا کہ مجھے بتلاؤ۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتے ہیں تاکہ ہم اسی طرح کرکے اس کو راضی کریں۔ اس نے کہا۔ یہ تو مجھے بھی پتہ نہیں۔ گڈریا کی بات اس کے دل پر گھر کر گئی۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اس کے بعد اس شخص نے پڑھنا شروع کیا پچھلے سال جب میں سندھ گیا تو میں نے یہ واقعہ

ایک جلسہ میں اپنی تقریر میں بیان کیا۔ تو ایک شخص کہنے لگا۔ کہ وہ میرا چچا تھا۔ گڈریا اور عمر رسیدہ طالب علم دونوں فطرۃ سلیمہ والے تھے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو قرآن کی صحبت میں آ گئے اور اس کی برکت سے ہدایت ہو گئی دین اور دنیا دونوں سنور گئے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ ہدایت کی منڈیاں ہیں مساجد۔ دکان دار ہے عالم ربانی۔ دکان ہے اس کا سینہ۔ گاہک ہے مسلمان۔ مال ہے قال اللہ و قال الرسول۔ پونجی ہے ایمان۔ نیت خالص سے ایمان کی پونجی لے کر جو درس میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کو ہدایت ہو جاتی ہے۔ درس قرآن میں سدا ہی آنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ ع

خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

دل کی پلیدی کو دور کرنے کے لئے مدت مدید ہادی کی صحبت درکار ہے۔

میری بیعت کے بعد حضرت دین پوری چالیس

سال تک زندہ رہے۔ اگر ہزار سال بھی زندہ رہتے تو مجھے تو کبھی یہ خیال نہ آتا۔ کہ اب ان کی صحبت کی ضرورت نہیں۔

دست از طلب ندارم تا کامِ من بر آید
یا جاں رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

ہادی کو مسخ شدہ کی اطلاع نہیں دی جاتی یہی وجہ ہے کہ انبیاء سب کو یکساں دعوت دیتے رہتے ہیں۔ وہ تین صورتوں کے سوا کبھی دست بردار نہیں ہوتے۔

۱۔ امت کو ہدایت نصیب ہو جائے۔
۲۔ امت تباہ ہو جائے۔
۳۔ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں بُلا لے۔

شیطان درس میں سے بھی شکار کر کے لے جاتا ہے۔ وہ دل میں یہ خیال ڈالتا ہے۔ کہ بہت قرآن سنا اب اس کی ضرورت نہیں۔ وہ بے ایمان یہ نہیں کہتا کہ بڑا اناج کھایا۔ اب اس کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی

اصلاح حال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
یا الٰہ العالمین ۔ اس کے لیے ہادی کے ساتھ
سدا وابستہ رہنے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے میں
کہا کرتا ہوں کہ اللہ والوں کے جوتوں کی خاک
سے وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں
میں بھی نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے حق میں یہ دعا
قبول فرمائیے۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (الآیۃ) امین یا الٰہ العالمین ۔

---

۵ رجمادی الاول ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۱ راکتوبر ۱۹۵۶ء

روحانیت کے صحت یافتہ اور روحانیت کے مریض

میری آج کی معروضات کا عنوان ہے۔ روحانیت
کے صحت یافتہ اور روحانیت کے مریض۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جسمانی اور

روحانی دو نظام چلاتے ہیں۔ جس طرح انسان جسمانی لحاظ سے صحت یافتہ اور مریض ہوتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح روحانی لحاظ سے بھی وہ صحت یافتہ اور مریض ہوتے ہیں۔ جسمانی صحت یافتہ انسان کی علامت یہ ہے کہ اس کے معدے میں اشتہاء پیدا ہو جو طیب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کی نشو و نما کے لیے پیدا کیں۔ ان کی خواہش پیدا ہو۔ جب مل جائے تو خوشی سے کھائے کھانے کے بعد فرحت اور سرور پیدا ہو۔ اگر ان چیزوں کی اشتہاء نہ ہو۔ نہ ان کی خواہش ہو۔ نہ بھوک لگے نہ کھانے پینے کی طرف طبیعت مائل ہو۔ اگر زبردستی استعمال کرا دی جائیں تو طبیعت میں فرحت اور سرور کی بجائے تکدر پیدا ہو۔ تو اس قسم کے انسان کو جسمانی لحاظ سے مریض کہا جائے گا۔ جسمانی لحاظ سے صحت یافتہ اور مریض دونوں قسم کے انسانوں کا میں موازنہ کر چکا ہوں۔ کہ جسمانی صحت مند کی کیا حالت ہوتی

ہے۔ بعض اوقات انسان صحت مند اور بعض اوقات
مریض ہوتا ہے۔

ہمارے اطباء جب اپنی ادویات کی فہرست شائع
کرتے ہیں تو اس کے سرورق پر لکھا کرتے ہیں
لکل داءٍ دواءٌ (ہر مرض کی دوا ہے) طبیب حاذق
کے پاس مریض چلا جائے تو وہ جسمانی امراض کے
مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ آہستہ آہستہ معدہ میں
اشتہا پیدا ہو جاتی ہے۔ کھانا سامنے لایا جائے
تو طبیعت میں کھانے کی طرف رغبت پیدا ہوتی
ہے اور کھانے کے بعد طبیعت میں فرحت اور سرور
پیدا ہوتا ہے۔

بعینہٖ یہ نقشہ ادھر بھی ہے کہ بعض انسان
روحانیت کے لحاظ سے صحت مند اور بعض مریض
ہوتے ہیں۔ روحانیت کی غذا ذکرِ الٰہی ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ — خبردار اللہ کی یاد ہی سے دل
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ — تسکین پاتے ہیں۔

(سورۃ الرعد ع۴ پ ۱۳)

اگر انسان روحانی لحاظ سے صحت مند ہے تو اس کو ذکرِ الٰہی کی اشتہا پیدا ہو گی۔ روحانی صحت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اپنے خالقِ حقیقی سے تعلق درست ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو روحانی لحاظ سے صحت مند بنائے۔ اور اگر کوئی کمی ہے تو اس کو پورا فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین ۔

روحانی صحت کی یہ علامت ہے کہ انسان اذان کی آواز سُن کر فوراً مسجد کی طرف چل پڑے اگر گھر یا دکان مسجد سے دُور ہے تو وقت کا لحاظ رکھے مثلاً اگر ظہر کی نماز ایک بجے ہوتی ہے تو وہ پندرہ بیس منٹ پہلے مسجد کی طرف روانہ ہو جائے۔ پانچ منٹ راستہ کے لیے اور باقی وضو اور سنتوں میں صرف کرے گا۔ اس کے بعد نماز باجماعت ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے گا کہ اس نے نماز باجماعت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر گھر میں یا دکان پر نماز پڑھنے تو ایک

نماز کا ثواب ملتا۔ اب اس نے اپنی رحمت سے ۲۵ یا ۲۷ نماز کا ثواب عطا فرمایا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص گھی اپنے گاؤں ہی میں فروخت کرتا ہے۔ تو ۵ روپیہ سیر قیمت ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس کو شہر میں لا کر بیچتا تو ۱۰/ روپے سیر بکتا ہے۔

جن کو کھانے کی اشتہا ہوتی ہے۔ وہ جب کھانے کا وقت آتا ہے تو یا ہوٹل میں یا گھر شوق سے جاتے ہیں۔ جن کی صحّت روحانی بحال ہے۔ وہ نماز کے لیے بھی شوق سے آتے ہیں۔ پانچ وقت اللہ کی رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر آ کر نماز ادا کرتے ہیں وہ گناہ بخشواتے ، اور رحمت سے جھولیاں بھر کر لے جاتے ہیں۔ اذان کی آواز سن کر ان کی طبیعت میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس طرح ناشتہ کے وقت طبیعت ناشتہ مانگتی ہے اور سہ پہر کے وقت چائے کا خود

تقاضا کرتی ہے۔ اسی طرح نماز کے وقت رُوح
کہتی ہے کہ مجھے نماز کے لیے چھٹی دی جائے
جس طرح کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جاتے
ہیں۔ اور برتن بھی صاف کیے جاتے ہیں۔ اسی
طرح نماز سے پہلے وضو کیا جاتا ہے اور سنتیں
پڑھی جاتی ہیں۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہوئی ہے۔
وہ کھانے کے بعد ہر موسم کے مطابق فواکہ (پھل)
بھی کھاتے ہیں۔ نماز کے بعد آیتہ الکرسی،
ایک دفعہ سبحان اللہ ۳۳ دفعہ الحمد للہ ۳۳
دفعہ اللہ اکبر ۳۴ دفعہ اور ایک دفعہ لا الہ الا اللہ
یا باقی اذکارِ الٰہیہ درود شریف وغیرہ۔ یہ ادھر
کے فواکہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہیں
وہ نماز کے بعد باقی اذکار بھی پورے کرتے ہیں
نہ پڑھیں تو ان کو اطمینان نہیں ہوتا۔ اصل چیز
تو نماز ہی ہے۔ یہ اذکار نماز کے علاوہ ہیں۔
جس طرح اصل چیز تو کھانا ہی ہے۔ کھانے کے

بعد طبیعت تو سیر ہو جاتی ہے مگر پھر بھی لوگ خاکہ
کا استعمال کرتے ہیں۔ میں جب کابل میں تھا
تو وہاں جمال پاشا رحمۃ اللہ علیہ وزیر تجر ترکی
تشریف لائے۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب
سندھی رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے گئے۔ تو میں
بحیثیت خادم ان کے ساتھ گیا۔ جمال پاشا کے
لیے کھانے سے پہلے سوپ (یخنی) آیا۔ میں اس
سے یہ سمجھا کہ ترک سوپ اس لیے پیتے ہیں۔
کہ گلا تر ہو جائے۔ اگر کسی نے بادشاہ سے
ملنے کے لیے جانا ہو تو وہ اس کے لیے پہلے
تیاری کرے گا۔ نہا کر کپڑے نئے اور استری شدہ
پہنے گا۔ پگڑی شیشہ میں دیکھ کر خوب اچھی طرح
باندھے گا۔ اسی طرح دربارِ الٰہی میں حاضر ہونے
کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ اگر صحت روحانی کا
صحت یافتہ ہے تو دل مسجد سے وابستہ ہوگا۔
اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ملاحظہ ہو!

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَبْعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظِلِّہٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ

(الحدیث)

حضرت ابوہریرۃؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز اس کے سایہ کے سوا اور کوئی نہ ہوگا

ان سات میں سے ایک وہ شخص ہے جس کا دل مسجد سے وابستہ رہتا ہے ۔ نماز سے فارغ ہو کر مجبوراً مسجد سے نکل تو گئے ۔ پھر مسجد کی طرف دوبارہ آنے کے لیے دل راغب ہی رہتا ہے ۔ ملازمت ہے یا دکان داری ہے ۔ اس کے لیے مجبوراً جانا پڑتا ہے مگر دل بے قرار رہتا ہے کہ کب دوبارہ پھر مسجد میں جائیں ۔ خدا کرے ۔ جلدی نماز کا وقت آئے اور یادِ الٰہی کی لذت پھر نصیب ہو ۔ یہ معمولی چیز نہیں ہے اس کا اللہ تعالیٰ کتنا اجر عطا فرماتے ہیں ۔ اپنے

سات خوش قسمت بندوں کی فہرست میں شامل فرما رہے ہیں۔

انسان تندرست ہو تو غذا اس کے لیے راحتِ جان ہے۔ وہ شوق سے کھائے گا۔ اور وہ جزوِ بدن بن جائے گی۔ اگر صحت بگڑی ہوئی ہے تو نہ کھانے کی طرف رغبت ہوگی۔ اور نہ کھائے گا۔ اسی طرح جن کی روحانی صحت بگڑ جاتی ہے۔ ان کو عبادت سے نفرت ہو جاتی ہے۔ عبادت سے نفرت کفر ہے۔ ایک شخص کا لڑکا درس میں باقاعدہ آتا تھا۔ باپ نے جب اس کو لندن بھیجا تو باپ نے اس کی مجھے تصویریں دکھائیں۔ وہاں سڑکوں پر لوگوں کو قرآن سُنا رہا تھا۔ لیکن وہاں کے قیام نے آہستہ آہستہ یہ سب رنگ ختم کر دیا جب واپس آیا تو نہ قرآن رہا اور نہ پابندیٔ نماز رہی۔ اسی شخص کے دوسرے بیٹے کا واقعہ ہے۔ کہ جب باپ نماز کے لیے کہتا تو جواب دیتا۔ کہ

ابا جی! آپ کی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی پڑھنے کو تو دل نہیں چاہتا۔ یہ وہ ہیں۔ جن کی روحانی صحت بگڑی ہوئی ہے۔

روحانی مریض دو قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔ ناقابلِ اصلاح۔ ان کے متعلق ہادی کو بھی پتہ نہیں دیا جاتا۔ اگر انبیاء کو علم ہو جائے کہ فلاں شخص ناقابلِ اصلاح ہے تو وہ کبھی اس کو دعوت نہ دیں مومنوں کی صفاتِ حمیدہ میں سے ایک صفت یہ ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (سورۃ المومنون ع پ۱۸) اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑنے والے ہیں) لغو وہ کام ہے جس کے کرنے سے نہ دین کا کوئی فائدہ ہو اور نہ دنیا کا۔ انبیاء تو مومنوں کے امام ہوتے ہیں وہ کس طرح لغو بات کے پیچھے پڑ سکتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی آخرِ دم تک اس قسم کے لوگوں کو تبلیغ حق فرماتے رہے۔ وہ تو ماہی گیر کی طرح دریا میں جال ڈال دیتے ہیں۔ جال میں بعض اوقات کچھوا بھی پھنس جاتا ہے اور مچھلی بھی آجاتی ہے کچھوا حرام اور مچھلی حلال ہے

۲۔ قابلِ اصلاح ، یہ روحانی مریض ہوتے ہیں خوش قسمتی سے معالج روحانی کے ہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شفا عطا فرما دیتے ہیں۔

ایمان لانے سے پہلے اکثر صحابہ کرامؓ اسلام کے دشمن تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ، ابوذر غفاریؓ اس قسم کے دو چار حضرات ہی کفر و شرک سے بچے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ میں کچھ ترش کلامی ہو گئی۔ آنحضرتؐ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے حضرت عمر کو ڈانٹا کہ صدیق اکبر ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے میری تصدیق کی۔ جب تم سب نے مجھے جھٹلایا۔ تم اس کو بھی ستاتے ہو۔ جب صدیق اکبرؓ روحانی علاج سے صحت مند تھے۔ تو عمر اس وقت روحانی مریض تھے۔ لبعد میں اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی کہتے ہیں کہ جب تک سانس تب تک آس۔ ہادی اس پر عمل کرتا ہے۔

خالد بن ولید احد میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ایمان نصیب فرمایا تو حضورؐ ان کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا فرماتے ہیں وہ

ایک دن میں سات تلواریں کفار کی گردنوں پر توڑتے ہیں کفار کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ اور پھر چیرتے ہوئے واپس آ جاتے ہیں۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کی روحانی صحت فطرۃً بحال ہوتی ہے وہ ہادی کی آواز سن کر فوراً ایمان لے آتے ہیں۔ ان کا ذکر اس آیت میں آتا ہے:

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔ (سورۃ ال عمران ۲۰ع پ ۴)	اے ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے سے سنا جو ایمان لانے والے کو پکارتا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ سو ہم ایمان لے آئے۔ اے رب ہمارے اب ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔

جو ناقابلِ اصلاح طبقہ ہے ان پر ہادی کی آواز سے اتمامِ حجت ہو جاتا ہے قیامت کے دن وہ یہ نہیں کہہ سکیں گے۔ رَبَّنَا مَا جَآءَنَا مِنْ نَّذِيرٍ۔ بلکہ خود اقرارِ جرم کرینگے

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ۔ قَالُوا رَبَّنَا	کیا تمہیں ہماری آیتیں نہیں سنائی جاتی تھیں پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ کہیں گے اے

غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّيْنَ ۔ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُوْنَ ۔ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۔	ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی اور ہم لوگ گمراہ تھے ۔ اے رب ہمارے ہمیں اس سے نکال دے اگر پھر کریں ۔ تو بے شک ظالم ہوں گے ۔ فرمائے گا اس میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو۔
(سورۃ المومنون ۶ع پ ۱۸)	

ہر دور میں انسان نگی نئے ہوں گے اور ہادی بھی نئے اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صحیح معنوں میں صحت یافتہ بنائے ۔ آمین یا الہ العالمین۔ جو درس ۔ جمعہ یا ذکر میں شوق سے آتے ہیں میں ان کو مبارک باد دیتا ہوں ۔ یہ صحت روحانی کی علامت ہے ۔ جیسے شکاری وہاں شکار کے لیے جاتا ہے ۔ جہاں مرغابیاں زیادہ ہوں اسی طرح شیطان بھی درس وغیرہ سے شکار کرکے لے جاتا ہے ۔ اس کے فریب میں نہ آیئے ۔ وہ دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ بڑے درس سنے اب اس کی ضرورت نہیں ۔ نفس سے کہا کیجئے کہ بہت اناج اور پھل کھائے ہیں اب کھانا کیوں نہیں چھوڑ دیتے جب جسم کی ضروریات سے دستبردار نہیں ہو سکتے تو روح کی

ضروریات سے کس طرح دستبردار ہو سکتے ہو اگر ہم دنیا سے امراض روحانی سے شفایاب ہو کر گئے تو قبر بہشت کا باغ بن جائے گی اگر یہاں شفا نہ ہوئی تو پھر اللہ کے ہسپتال میں رہنا پڑے گا۔ ان کا ایک ہی ہسپتال ہے جس کو جہنم کہتے ہیں۔

آنحضرتؐ کا فرمان ہے کہ حرام مال سے پرورش پانے والا گوشت جہنم کا زیادہ مستحق ہے جو رشوت کھاتے ہیں اگر ان کے اندر ایمان ہوگا تو ان کو دوزخ میں اس وقت تک رکھا جائے گا۔ جب تک حرام مال سے پرورش شدہ گوشت نہ جل جائے گا۔ جن کو یہاں رشوت چھوڑنے کی سزا مل گئی وہ شفایاب ہو گئے۔ اگر تائب نہ ہوئے تو جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دروازے پر آگئے ہیں۔ ان کی آہستہ آہستہ اصلاح ہو جاتی ہے۔ جو نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دینے نہیں جاتے۔ مجھے کیا ضرورت ہے کہ امراء کی کوٹھیوں پر قرآن ہاتھ میں لے کر جاؤں۔ جب اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو یہاں

بھجوا دیتے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دروازے کی ٹوٹی چٹائیوں پر سربسجود رہ کر ہی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

صوفیائے کرام فرمایا کرتے ہیں

نِعْمَ الْاَمِیْرُ عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ۔ بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ	بہترین ہے وہ امیر جو فقیر کے دروازے پر آئے۔ بدترین ہے وہ فقیر جو امیر کے دروازے پر جائے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو روحانی لحاظ سے صحت یافتہ بنائے اور اسی حالت میں دنیا سے اٹھائے۔ آمین یا الہ العالمین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ط

سلطان احمد کاتب۔ لاہور